شعر محض لغو و مہمل سمجھا جائیگا۔ اگر اس کے یہی معنی ہیں۔ جو آپ لیتے ہیں۔ ورنہ یہ معنی ہیں۔ کہ باوجودیکہ کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا۔ اور درست نہ کیا۔ پھر ایسے عالم تھے۔ کہ جمیع شرائع سابقہ کو منسوخ کیا۔ تو مبصر اور آپکے معلمکے مخالف +

امر چہارم تعلیم اوّلی۔ ابتدائے بعثت۔ نزول سورۂ اقرأ۔ ابتدائے بعثت کے حالات سے جناب علامہ کنتوری صاحب نے حضرتؐ کی تعریف ایمان سے ناواقف ہونے اور بعثت و رسالت سے بے خبر ہونے جبرئیلؑ کے حضرتؐ کو کھینچنے اور انکو لا الہ الا اللہ سکھانے اور ورقہ کی نصیحت یا تعلیم دینے پر حضرتؐ کے یہ فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور تین مرتبہ جبرئیلؑ کے اس کہنے پر کہ پڑھو یہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تیسری مرتبہ جب ورقہ بن نوفل سے یہ ماجرا بیان کیا۔ تو اس نے یہ بتلایا۔ کہ اب کی مرتبہ جو جبرئیلؑ آئیں تو یوں نہ کہنا۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ بلکہ جب وہ پڑھنے کو کہے۔ تو کہنا کیا پڑھوں" اور پھر حضرتؐ نے ایسا ہی کیا۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے سورۂ حمد پڑھائی"۔ قبل اس کے کہ ہم اصل روایات ابتدء بعثت کو ذکر کریں۔ چند امور پر غور کرنا ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ یہ روایت کہاں تک صحیح ہو سکتی ہے۔ اوّل یہ کہ آیا حضرتؐ قبل آنے جبرئیلؑ کے پڑھے ہوئے تھے یا نہیں مسلم عند الخصم شق ثانی ہے۔ کہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ پس جب کہ وہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ تو جبرئیلؑ نے ایسا حکم کیوں دیا۔ کہ جس کو وہ بجا نہ لا سکتے تھے۔ اور پھر جب وہ پڑھنے سے عاجز و معذور تھے۔ اور پڑھے ہوئے نہ تھے۔ تو پھر جبرئیلؑ نے ان کو دبایا اور بھینچا کیوں؟ آخر کس خطا اور کس جرم پر؟ کیا کوئی عقلمند ایسا کر سکتا ہے۔ کہ ایک جاہل کو پڑھنے کو کہے۔ اور جب وہ اپنی معذوری ظاہر کرے۔ اور کہے۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تو مارے اور سزا دے اور پکڑ کر ایسا کھینچے۔ کہ بخار چڑھ جائے پھر جبرئیلؑ جیسے مقرب بارگاہ الٰہی فرشتے معصوم سے ایسا فعل قبیح کیونکر صادر ہوا۔ قطعًا ناممکن ہے۔ کہ ایک فرشتہ معصوم اور عالم ایک ایسے شخص کو جو پڑھا ہوا نہیں ہے۔ اور وہ اقرار کر رہا ہے پڑھنے کا حکم دے۔ جو تکلیف مالایطاق اور فعل قبیح ہے۔ اور اس پر سزا بھی ایسی سخت دے۔ کہ بخار چڑھ آئے۔ اور اگر یہ کہئے۔ کہ حضرتؐ پڑھ سکتے تھے۔ اور پڑھنا جانتے تھے۔ اور اس لئے جبرئیلؑ نے ان کو پڑھنے کا حکم دیا۔ تو ہمارا مطلب ثابت اور آپ کا ادعا باطل۔ لیکن یہ صورت بھی درست نہیں۔ کیونکہ اگر پڑھے ہوئے تھے۔ تو حضرتؐ نے یہ کیوں فرمایا۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ کذب صریح ہے۔ اور پیغمبرؐ کی ذات اس سے بری۔ دوسری صورت اس کی یوں ہے۔ کہ آیا جبرئیلؑ نے کسی ایسے

لوازم وجود

فصل

تحقیق متین

یہانتک جو کچھ لکھا گیا وہ بعض ضروری تحقیقات کے ساتھ زیادہ تر نقض اور الزام پر مبنی تھا۔ مناسب ہے کہ اس امر میں مزید تحقیقات سے کام لیا جائے خصوصاً اس امر میں کہ آیا کمالات بشری میں لکھنا پڑھنا داخل ہے یا نہیں؟ کیونکہ فاضلین اسکے قائل ہیں کہ وہ انبیاء اور اوصیاء کو اُن کمالات کی رو سے جو ان کو حدود بشری میں ممکن ہیں کامل و اکمل جانتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنا پڑھنا کمالات بشری سے خارج ہے۔

فلسفہ اولی اور علم ما فوق الطبیعۃ میں مسلم ہے کہ جو صفات کسی شے کو عارض ہوتی ہے دو قسم پر ہیں ایک وہ صفتیں جو موجود کو بلحاظ تشخصات عارض ہوتی ہیں۔ جیسا کہ لمبائی چوڑائی گہرائی۔ موٹائی کسی خاص جگہ و مکان میں ہونا۔ آب و غذا کی احتیاج پیدا کرنا۔ یہ ایسی صفتیں ہیں کہ جب موجود حالت تشخص میں آجاتا ہے اس وقت عارض ہوتی ہیں۔ دوسری وہ صفتیں جو موجود کو من حیث الوجود عارض ہوتی ہیں اور نفس وجود انکے عروض کے لئے کافی ہے کسی خاص حالت تشخص جسمانی خارجی کے پیدا ہونیکی ضرورت نہیں جیسے علم و قدرت۔ سماعت و بصارت وغیرہ۔ انکے عارض ہونے میں کسی خاص تشخص کی ضرورت نہیں اور مثلاً انسان من حیث ھو انسان عالم ہے۔ نہ من حیث التشخصات الجسمانیہ الخارجیہ۔ ایسی صفات کو لوازم وجودیہ اور عوارض ذاتیہ کہتے ہیں اور اول کو عوارض شخصیہ وغیرہا لیکن چونکہ درجات موجود باعتبار شدت و تاکد مختلف ہیں۔ مثلاً وجود واجب الوجود میں عین ذات ہے اور وجود حق ممکنات میں خارج از ذات ہے اور محتاج علت اور واجب میں قوی و غنائے محض ہے اور ممکن میں ضعیف و محتاج صرف۔ واجب الوجود میں اصلی ہے اور ممکنات

میں ظلی۔ واجب الوجود میں کامل اور ممکنات میں ناقص پس اسی اختلافِ درجاتِ وجود کے موافق لوازم وجود و عوارض ذات بھی مختلف و متفاوت ہوتے ہیں۔ چنانچہ علم واجب الوجود میں عین ذات ہے اور کامل۔ قوی اصلی اور لامتناہی اور ممکن میں زائد بر ذات نہایت ضعیف ناقص اور ظلی ہوتا ہے اگر واجب الوجود کی طرف سے افادہ نہ ہو تو ذات ممکن خالی از علم ہوگی۔ مگر کہلاتا دونو مقام پر علم ہی ہے۔ خدا کے علم کو بھی علم ہی کہتے ہیں۔ "اَللّٰہُ عَالِمٌ" بھی کہتے ہیں اور "زَیدٌ عَالِمٌ" بھی ؛۔

اور یہ بھی مسلم و محقق ہے کہ کوئی شے لوازم وجود و عوارض ذات سے خالی نہیں ہوتی یعنی جو چیزیں بحیثیت وجود ضروری ہیں وہ بقدر شدت و ضعف وجود اس میں ضرور پائی جائینگی۔ اگر وجود قوی ہے تو لوازم وجود قوی ہونگے۔ اور اگر ضعیف ہے تو لوازم وجود ضعیف۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنے وجود کے موافق لوازم وجود سے حصہ نہ لیتی ہو۔ اور پھر تمام چیزیں بعد اشتراک لوازم وجود یہ یا اشتراک عوارض جنسیہ کچھ مخصوص صفات رکھتی ہیں۔ جنکی وجہ سے دوسری جنس سے ممیز و ممتاز ہوتی ہیں۔ اور جن صفات مخصوصہ کی وجہ سے ایک نوع دوسری نوع سے باوجود اشتراک جنسی ممیز و ممتاز ہوتی ہے۔ ان صفات کو اصطلاح میں **فصول ممیزہ** کہتے ہیں۔ اور ہر ایک نوع ایک فصل ممیز رکھتی ہے جسکی وجہ سے وُہ دوسری نوع سے ممیز و ممتاز ہوتی ہے۔ لیکن فصول ممیزہ کا ادراک کرنا اور انکو لوازم وجود سے تمیز کرنا اور پہچاننا نہایت ہی دشوار ہے۔ بڑے بڑے عقلاء و حکماء کی عقلیں انکے ادراک و تمیز سے قاصر رہی ہیں۔ اور اسلئے حکماء نے جو فصول انواع معلومہ کے لئے معین و مقرر کی ہیں انکی بابت ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہی انکی فصول ممیزہ ہیں اور اسی وجہ سے تعیین فصول میں حکماء کو اختلاف ہے ؛

تعریف انسان

مثلاً انسان کی تعریف یہ کرتے ہیں "اَلْاِنْسَانُ حَیَوانٌ نَاطِقٌ" (انسان حیوان ناطق ہے) اور اس تعریف میں حیوان جنس مشترک ہے۔ تمام انواع۔ گھوڑا۔ گدھا۔ شیر۔ بھیڑیا۔ وغیرہ اس میں شریک ہیں اور سب حیوان ہیں اور ناطق فصل ممیز انسان کی ہے۔ کہ حیوان ناطق انسان ہی کہلاتا ہے اور کہتے ہیں کہ نطق اسی سے مخصوص ہے لیکن اس میں بھی بہت اختلاف ہے اور محققین کے نزدیک یہ تعریف منقوض ہے۔ کیونکہ لغت و محاورات دونوں میں ناطق کا لفظ دوسرے حیوانات پر بولا جاتا ہے اور برابر مستعمل ہے۔ چنانچہ اہل لغت لکھتے ہیں "مَا لَہٗ نَاطِقٌ وَلَا صَامِتٌ" (اُسکے پاس ناطق ہے نہ صامت) ناطق سے مراد حیوان ہے اور صامت سے مال و متاع غیر جاندار۔ یہاں ناطق کا لفظ حیوان ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو پھر ناطق کس طرح انسان کی فصل ممیز اور اس سے مخصوص ہوا۔ یہ نقض صریح دیکھکر حکماء نے اسکی تاویل

شروع کی کہ ناطق کے معنی محض بولنے والا نہیں ہیں۔ پس بعض نے کہا کہ ناطق "متکلم بالغلبہ" کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قیصری شرح فصوص میں اور ایک اور جماعت اس کی قائل ہے۔ اور حکماء متاخرین نے ناطق کے معنی مُدرِک کلیات لئے ہیں۔ اور انہوں نے لکھا ہے کہ نفس ناطقہ انسانیہ کی بعض قوتیں ایسی ہیں جو دوسرے حیوانات میں بھی مشترک ہیں اور نباتات میں نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ وہ قوتیں ہیں جن سے وہ جزویات کا احساس کرتا ہے یعنی حواس ظاہریہ و باطنیہ۔ اور بعض خاص قوتیں ہیں جو انسان ہی سے مختص ہیں یعنی جنکے ذریعہ سے وہ کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ اور قوائے حسیہ حیوان و انسان سے مخصوص ہیں نبات میں نہیں۔ اور قوائے غاذیہ۔ نامیہ۔ مولدہ انسان حیوان اور نبات سب میں مشترک ہیں اور انہی کو قوائے نباتیہ کہتے ہیں:۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُنکے نزدیک ادراک کلیات انسان سے مخصوص ہے۔ اور نیز یہ کہ قوائے ثلاثہ غاذیہ۔ نامیہ۔ اور مولدہ۔ نبات ہی سے مختص ہیں۔ جمادات میں نہیں پائی جاتیں لیکن کشف طبقات الارض کے علماء کے نزدیک یہ درست نہیں اور مشاہدات حسیہ اسکے خلاف پر شہادت دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ پتھر اور معدنیات میں بھی قوۃ نامیہ موجود ہے اور بلا قوت غاذیہ نمو ممکن نہیں۔ لہذا ثابت ہُوا کہ جمادات میں بھی قوائے غاذیہ و نامیہ موجود ہیں اور مشاہدات و تجربیات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ قوائے حسیہ بھی صرف حیوانات سے مختص نہیں بلکہ بعض نباتات میں قوائے حسیہ مشاہدہ ہو چکی ہیں۔ جو اس اختصاص کو باطل کرتی ہیں۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ نباتات میں بھی حِس موجود ہے۔ چنانچہ چھوئی موئی (جس کو حکماء سبط کہتے ہیں) چھوتے ہی اپنے پتوں کو سکیڑ لیتی ہے۔ گویا لمس کا فوراً احساس کرتی ہے اور اسلئے منقبض ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایک اور گھاس معلوم ہوتی ہے جس کو منقرس (ورندہ) کہتے ہیں جس وقت مکھی اُسکے پتے پر بیٹھتی ہے۔ پتا فوراً لپٹ کر اس پر منطبق ہو جاتا ہے اور مکھی کے تمام بدن کی رطوبت چوس لیتا ہے بعد ازاں کھل جاتا ہے اور اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اور مکھی کی کھال کو پھینک دیتا ہے اور دوسری مکھی کے بیٹھنے کا منتظر رہتا ہے۔ پس اگر یہ احساس نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ کدو کی بیل ہی کو دیکھئے کہ اس میں بھی قوت حس کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ جب اُس کی بیل کسی دیوار کے قریب پہنچنے کو ہوتی ہے۔ جو اُسکے سامنے حایل اور اُسکی بڑھوتری کو مانع ہونیوالی ہو۔ فوراً مُڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ جدھر وہ اچھی طرح نشو و نمو پا سکے اور بڑھ سکے۔ نیز بعض درختوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ایک چھوٹا درخت کسی بڑے درخت کے نیچے اُگا ہوا ہوتا ہے۔ جب وہ بلند ہو کر درخت

کے قریب پہنچتا ہے اور نزدیک ہوتا ہے۔ کہ اُس درخت کی شاخیں اور پتے اسکی بڑھوتری کو مانع ہوں تو وہ درخت اپنی چوٹی کو درخت کے نیچے سے نکال کر خالی جگہ کیطرف مڑجاتا ہے اور دھوپ میں چلا جاتا ہے کہ خوب نشوونما پائے اگر اس میں احساس فطری اور شعور نہ ہوتا تو ہرگز اس سے ایسا ظہور ٹھہرچہ میں نہ آتا اسی طرح بعض درختوں اور نباتات کے عجیب و غریب حالات علم کشف طبقات الارض کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور باٹنی کے طلبہ ان سے خوب واقف ہیں۔ اسی طرح انسان کی تعریف میں ناطق کے معنی ادراک کلیات لینا اور اسکو انسان کی فصل ممیز و مقوم قرار دینا یہ بھی مسلم نہیں چنانچہ حکمائے اشراقیین بعض حیوانات کے عجیب و غریب افعال دیکھنے سے قائل ہوئے ہیں۔ کہ انسان کے سوا دیگر حیوانات بھی ادراک کلیات رکھتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کی عجیب و غریب تدابیر اس کا عجیب و غریب ہندسی شکلوں کا بنانا اور ان کا منتظم ہونا اور ایسے ہی ابابیل کا گھونسلا بنانا۔ مکڑی کا جالا تننا اور شکار کرنا اور شکار کیلئے طرح طرح کی شکارگاہوں کا درست کرنا اور گھاتیں لگانا۔ بالصراحت انکے ذی حس و ذی شعور و مدرک ہونے پر دال ہے اسی طرح بہت سے امور سیاسی اور انتظامات چھوٹے چھوٹے جانوروں اور درندوں سے ظاہر ہوتے ہیں جن کو وہ اپنے زبردست اور کثیر التعداد دشمنوں سے بچنے کیلئے عمل میں لاتے ہیں اور وہ سب انکے صاحب شعور و ادراک ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ بلکہ بعض حکماء قائل ہوئے ہیں۔ کہ نباتات میں بھی قوت شعور و ادراک موجود ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ درخت کی جڑیں اور اسکے ریشے ہمیشہ پانی ہی کیطرف حرکت کرتے ہیں اور شاخیں بھی ہوا میں پانی ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اگر درخت میں قوت شعور و ادراک نہ ہوتی تو یہ بات ہرگز نہ پائی جاتی جناب سلطان الحکماء والمتکلمین خواجہ نصیر الدین طوسی قدس اللہ سرہ القدوس بھی اسی کے قائل ہیں۔ لہٰذا انسان کی تعریف میں ناطق سے مدرک کلیات مراد لینا اور اسکو انسان سے مخصوص کہنا درست نہیں۔ لغوی اور اصطلاحی دونوں معانی کے لحاظ سے دیگر حیوانات کا ناطق ہونا قطعاً ثابت ہے اور انکے کلام کا نہ سمجھنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ ناطق نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہو تو لاکھوں اور کروڑوں وہ انسان جن کی زبان ہم نہیں سمجھتے۔ ناطق ہونے سے خارج ہو جائینگے اور اسی طرح ہم انکے نزدیک جو ہماری زبان نہیں سمجھتے غیر ناطق ٹھیرینگے۔ حالانکہ تمام نوع انسان ایک ہے اور سب ناطق کہلاتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ یہ تعریفات درست نہیں اور حکماء میں اسقدر اختلاف ہے؟

وہ جوہر حقیقی جو ان صفات و خواص کا منشا و انتزاع ہے اسکے ادراک سے عقول قاصر ہیں۔ یعنی مدرک کلیات ہونا۔ متکلم بالغلبہ ہونا۔ یا کاتب ہونا جس شے اور جس جوہر حقیقی کی صفات ہیں حکماء اس کی حقیقت کا آجتک ادراک نہیں کرسکتے بعض حکماء نے اپنی تمام عمر نفس ناطقہ انسانیہ کی تحقیق ہی میں بسر

کردی لیکن اُسکی حقیقت تک انکو رسائی ممکن نہ ہوئی اور نہ پہچان سکے کہ یہ نفس کیا شے ہے۔ اور اسکی حقیقت و ماہیت کیا ہے۔ اور آخر کار اپنے عجز و قصور کا اعتراف کیا۔ اور یہی وجہ اختلاف کی ہے کہ جس نے جو وصف اُسکے لئے لازم دیکھا یا سمجھا اسی کا قائل ہوگیا۔ اور یہیں سے غلطی پیدا ہوئی۔ کیونکہ اس جوہر حقیقی کی حقیقت کا ادراک وہی شخص ادراک کرسکتا ہے جو اس سے مافوق درجہ رکھتا ہو۔ اور وہ ہی اسکے لوازم وجودیہ کو معلوم کرسکتا ہے۔ اور جبتک اُسکی حقیقت معلوم نہ ہو اُسکے لوازم کسی طرح معلوم نہیں ہوسکتے۔ لیکن ایسا شخص جو اس جوہر سے فوق ہو اور اس پر احاطہ رکھتا ہو۔ سوائے وجود اوّل اور مصنوع اوّل یعنی وارث نبوت و ولایت مطلقہ حضرت خاتم النبیینؐ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ شیخ رئیس نے اس کی تصریح کردی ہے۔ اور رسالہ حدود میں لکھا ہے۔

(ادراک حدود حقیقت اشیاء بجہت اینکہ موقوف است بر نیل حقایق آنہا از طاقت بشریہ بیرون است و دعائے شریف نبویؐ یہ اَللّٰھُمَّ اَرِنِی حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ "خدا مجھے تمام اشیاء کی حقائق واقعیہ دکھلادے۔ مؤلف" معروف است و ازیں جہت است کہ ہیچ تعریفے در ابواب علوم دیدہ نشدہ است کہ خالی از مناقشہ باشد و درست بجز عیب بسر منزل برسد) نیز شیخ رئیس اور صاحب شرح مقاصد نے حکمت کے معنی اور تعریف کمال قوت نظریہ میں جو لکھا ہے۔ اسکا ماحصل یہ ہے۔ کہ حکماء نے کمال کی تعریف یہ کی ہے۔ کہ علماً و عملاً نفس کا قوت سے فعل کی طرف خروج کرنا کمال کہلاتا ہے یعنی نفس کیلئے جو کمال بالقوۃ ممکن ہے۔ اس کا علماً و عملاً قوت سے فعلیت میں آجانا کمال کہلاتا ہے۔ لیکن جبکہ کمال کی شان اور اشیاء کی اصل حقیقت اور اصل ماہیت میں اختلاف کثیر ہے اور باطل و گمراہی پھیل گئی ہے تو لازم ہے کہ اس مسئلہ میں ان لوگوں کی اقتداء کیجائے۔ جن کی بابت معجزات باہرات سے ثابت ہوگیا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے مؤید و ہدایت یافتہ ہیں۔ انتہیٰ۔

پس بیان سابق اور ان دو جلیل الشان حکیموں کے قول سے محقق ہوگیا کہ حقائق اشیاء۔ کمال اور ان کی حدود حقیقیہ کو پالینا اور انکا ادراک کرلینا سوائے نفوس قدسیہ یعنی انبیاء و اوصیاء اور کسی کو ممکن نہیں اور اسلئے کوئی دلیل عقلی اس امر پر قائم نہیں کہ دیگر اشیاء قوت شعور و ادراک نہیں رکھتیں اور سوائے انسان دوسرے حیوانات ادراک کلیات نہیں کرسکتے اور قوت استدلالیہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا سوائے اسکے چارہ نہیں کہ دلائل حکماء کو معجزات انبیاء سے مطابق کیا جائے۔ جو مطابق ہو اسکی تصدیق کی جائے۔ اور جو مخالف ہو اس کو رد۔

حقیقتِ ادراک و شعور

بلکہ علاوہ مشاہدات و تجربات حسیہ برہان عقلی اس پر قائم ہے کہ تمام اشیاء قوت شعور و ادراک رکھتی ہیں۔ ہاں حسب استعداد وجود و اختلاف شدت و تاکد

وجودات احساس شعور و ادراک کے بھی مختلف و متفاوت درجات ہیں کسی میں قوی ہے اور کسی میں ضعیف اور کسی میں محسوس ہے اور کسی میں غیر محسوس۔ اور یہی اخبار حضرت ختمی مرتبت و آثار و ارشادات ولایت و ظواہر نصوص فرقان حمید کے مطابق و موافق ہے :۔

جب ہم کائنات الارض کے دوسرے درجے یعنی عالم نبات میں جس کو علم کشف طبقات الارض میں مکونات دور ثانی اور ارضی ثانویہ کہتے ہیں۔ نظر ڈالتے ہیں اور اجزائے ارضیہ مائیہ و ہوائیہ کے انقلاب اور انکے تغیر و تبدل اور اطوار مختلفہ متعددہ میں منقلب ہونیکی کیفیت میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہی اجزائے ارضیہ مائیہ و ہوائیہ جن کو ہم بے شعور۔ عدیم النمو۔ فاقد الحیات خیال کرتے ہیں۔ محض روح نباتی کی مجاورت و معیت سے بہت سے درجات شعور و ادراک و احساس پر فائز ہو جاتے ہیں جیسا کہ ابھی نبات مفترس کی مثال سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ انہی اجزاء مادیہ ارضیہ و مائیہ و ہوائیہ نے اسی روح نباتی کی مجاورت و معیت یعنی درجہ جمادی سے درجہ نباتی پر پہنچ کر ایسی قوت حاصل کر لی ہے۔ اور اس درجہ ادراک و شعور پر پہنچ گئے ہیں کہ اپنی نہایت نازک جڑوں اور ریشوں کو بآسانی زمین کی تہ بلکہ سخت پتھروں کے اندر اپنی غذا کی طلب میں پہنچا دیتے ہیں جہاں حیوان کا پہنچنا ناممکن ہے۔ اور جس کو دیکھکر قدرت خدا یاد آتی ہے۔ لاریب۔ وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور بعد اس مرتبہ کے جب ارضی ثالثہ یعنی حیوانات کو دیکھتے ہیں تو معلوم کرتے ہیں کہ انہی اجزاء مادیہ نے درجہ حیوانی پر پہنچ کر روح حیوانی کی مجاورت و معیت سے وہ اور بہت سے مراتب شعور و ادراک و احساس حرکات پر حاوی اور انکے جامع پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم کو یہ اجزاء مائیہ وہ الکہ معلوم ہوتے تھے اور عالم رابع یعنی عالم انسانی پر نظر تعمق ڈالتے ہیں۔ تو عجب شان کبریائی نظر آتی ہے۔ اور اسکی عظمت و قدرت و جبروت سامنے پھر جاتی ہے کہ وہ اجزاء مادیہ جو محض بے حس بے حرکت عدیم الشعور معلوم ہوتے ہیں۔ عالم انسانی میں پہنچکر اور روح انسانی سے مجاور ہو کر کوس لمن الملکی بجا رہے ہیں۔ اور کیسے کیسے مراتب کمال پر فائز ہو گئے ہیں۔ یعنی ہم اپنے آپ کو حیّ عالم۔ مدرک۔ قادر کہتے ہیں۔ یہ صفات ہمارے اجزائے مادیہ میں کہاں سے آئیں؟

اور یہ جسم خاکی کیونکر ان کمالات پر حاوی ہو گیا؟ صرف نفس ناطقہ انسانیہ کی معیت و مجاورت سے۔ یہ نفس ناطقہ انسانیہ ہے جو ایک جسم خاکی مادی کثیف کو حرکت دے رہا ہے حس و ادراک و شعور علم و قدرت و حیات کا منظر دکھا رہا ہے۔ اور بے انتہا نعمات الٰہیہ سے متمتع ہو رہا ہے

اور کر رہا ہے وہی ہمارے ان ابدان میں معدن حیات اور منبع علم و ادراک ہے ورنہ ابدان من حیث ھی ابدان بمقابلہ انسان حی عالم قادر و مدرک کے محض جاہل و بے شعور صرف ہیں۔ نیز بعض حکماء قائل ہیں کہ انواع طبیعیہ میں سے ہر ایک نوع کیلئے عالم ابداع میں ایک عقل ہے جو اس نوع کی مربی اور اسکے امور کی مدبر کہلاتی ہے اور یہ عقل اپنی نوع پر خاص توجہ رکھتی ہے۔ جو معیت نفس کو اپنے ابدان سے حاصل ہے اُس سے اشد و اقوی معیت اُس عقل کو اپنے صور نوعیہ کیساتھ حاصل ہے اور اس عقل کے معیت سے جس کو اصطلاح میں رب النوع کہتے ہیں وہ صور نوعیہ صاحب شعور و احساس و ادراک و حرکات ہو جاتی ہیں۔ پس بنا بر بیان صدر ہمارے ابدان خاکی جو ہمارے خیال میں جاہل مطلق بے شعور غیر ذی حیات ہیں صرف نفس ناطقہ کی معیت سے (جو خود اپنے وجود کی بقاء و توابع وجود میں فقیر محض و محتاج صرف ہیں) حی۔ عالم قادر۔ مدرک۔ سمیع و بصیر وغیرہ کہلانے لگتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ موجودات معیت قیومیہ واجب الوجود سے (جو حی بالذات عالم بالذات قادر بالذات حکیم بالذات سمیع بالذات۔ بصیر بالذات ہے) صاحب شعور و احساس و ادراک نہ ہوں اور حی و عالم۔ قادر و مدرک و سمیع و بصیر کہلائیں۔ بلکہ قطعاً غیر معقول و غیر متصور ہے کہ معیت روح حیوانی یا انسانی اجزاء مادیہ میں منشاء و منبع حیات و علم و سمع و بصر ہو۔ اور معیت قیومیہ واجب الوجود منشاء و منبع حیات و علم و قدرت و سمع و بصر نہ ہو۔ حالانکہ موجودات کے ساتھ معیت قیومیہ واجب الوجود حضرت حق صور نوعیہ و ابدان کیساتھ نفس و روح کی معیت سے کہیں اشد و اقوی و بدرجہا زیادہ ہے اور تمام اشیاء اسی معیت قیومیہ واجب الوجود سے قائم و باقی متحرک و حساس و مدرک ہیں اگر چشم زدن کیواسطے یہ تعلق و معیت خالق ان ممکنات سے قطع ہو جائے۔ سب کی سب فناء و معدوم ہو جائیں۔ اور معیت قیومیہ کے یہ معنی ہیں کہ قیوم برحق وجود اشیاء پر اس طرح محیط ہے کہ کبھی اس سے جدا نہیں اور وہ ہی سب کا قائم رکھنے والا حی و قیوم ہے۔ پس نفس وجود جو معیت قیومیہ سے قائم ہے عین علم و شعور اور عین کمالات دیگر ہے۔ لیکن چونکہ درجات وجود بحیثیت شدت و ضعف و تاکد مختلف ہیں اسی طرح حسب اختلاف وجود ان اوصاف کا ظہور اپنے مظاہر میں مختلف و متفاوت ہوتا ہے۔ پس جس چیز کا وجود اشد و اکد ہے اُسکے یہ اوصاف و کمالات بھی اقوی و اکمل ہیں۔ پس چونکہ وجود روح انسانی دیگر موجودات سے کہیں اشد و اکد و اکمل ہے۔ لہذا اُسکے اوصاف مثل حیات و علم و قدرت و ادراک و احساس بھی اکمل ہیں اور دیگر موجودات یعنی نباتات و جمادات و حیوانات وغیرہ کے اوصاف یعنی حیات و علم و قدرت و شعور و ادراک ضعیف و خفی و ناقص اور یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سی چیزوں کے شعور و ادراک کو بظاہر محسوس نہیں کرتے

نہ یہ کہ وہ ان صفات سے عاری و خالی ہیں "فعلم کل شی تیقل بقدر وجدہ اذ درک الشئ وجد انہ ونیلہ والوجود لا ینفک عن نفسہ واعی وجد ان ونیل اشد من وجدان نفسہ وما یقوم نفسہ فان ثبوت الشئ لنفسہ ضروری وسلبہ عن نفسہ محال" معیت قیومیہ ذیل کی آیات سے بالصراحۃ ثابت ہے "الا انہ بکل شئ محیط" آگاہ ہو کہ وہ ہر شے پر محیط ہے "ھو معکم اینما کنتم" وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور جناب سر اللہ الفائق وکلام اللہ الناطق ولی مطلق وامام برحق علیہ السلام فرماتے ہیں "مع کل شئ لا بمقارنۃ وغیر کل شئ لا بمزایلۃ" وہ ہر شے کے ساتھ ہے لیکن نہ بمعنی مقارنت وقرب مکانی اور ہر شے سے غیر ہے لیکن نہ بمعنی جدائی و بُعد مکانی۔ غرض تمام چیزیں اوصاف مذکورہ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ادراک۔ شعور احساس وسمع وبصر وغیرہ میں مشترک ہیں۔ اخبار اہلبیت علیہم السلام ان مضامین وافادات سے پُر ہیں بشرطیکہ انسان انکے کلام سے مانوس اور انکا معتقد ہو۔ ملاحظہ ہو کافی۔ اختصاص۔ بصائر الدرجات۔ بحار الانوار وغیرہ۔ ان اخبار و آثار میں غور و خوض کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ مقام عمل میں بنائے دین اسی امر پر ہے۔ کہ تمام چیزیں خواہ کسی عالم اور کسی نشاء اور کسی حالت میں ہوں ذوی حیات۔ صاحب علم وشعور وادراک واحساس ہیں اور جو احکام ان حضرات سے صادر ہوئے ہیں۔ بلحاظ حقایق اشیاء صادر ہوئے ہیں ناظرین کے نور ایمان بڑھانے اور منکرین کی عبرت کیلئے ایک آیہ شریفہ کی تفسیر کے متعلق ایک حدیث ذکر کرتے ہیں اسی سے دوسرے احکام کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ فی الکافی معنعناً عن سعید بن المسیب قال سئلت علی ابن الحسین عن رجل ضرب امرئتہ حاملاً برجلہ فطرحت ما فی بطنہا میتاً فقال ان کان نطفۃ فان علیہ عشرین دیناراً فقلت فما حد النطفۃ فقال ھی التی اذا وقعت فی الرحم فاستقر فیہ اربعین یوماً۔ قال وان طرحت وھو علقۃ فان علیہ اربعین دیناراً فقلت ما حد العلقۃ فقال ھی التی اذا وقعت فی الرحم فاستقرت فیہ ثمانین یوماً قال وان طرحت مضغۃ فان علیہ ستین دیناراً قلت ما حد المضغۃ فقال ھی التی اذا وقعت فی الرحم فاستقرت فیہ مائۃ وعشرین یوماً قال وان طرحتہ وھو نسمۃ مخلقۃ لہ عظم ولحم مرتب الجوارح قد نفخ فیہ روح العقل فان علیہ دیۃ کاملۃ قلت لہ ارأیت تحولہ فی بطنہا الی حال الروح کان ذالک وبغیر روح قال بروح عدا الحیات القدیم المنقول فی اصلاب الرجال وارحام النساء ولولا انہ کان فیہ روح عدا الحیات ما تحول عن حال بعد حال فی الرحم وما کان اذاً علی من یقتلہ دیۃ

وھوفی تلک الحال تمت) کافی میں بسلسلہ رواۃ سعید ابن مسیّب سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب علی ابن الحسین علیہ السلام سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی حاملہ عورت کو لات ماری کہ اس کا حمل ساقط ہوگیا اور مرگیا حضرتؑ نے فرمایا اگر نطفہ کی حالت میں ساقط ہوا ہے تو اس کو بیس دینار دیت میں دینے چاہئیں میں نے عرض کیا نطفہ کی کیا حد ہے؟ فرمایا نطفہ وہ ہے جو رحم میں پڑے اور چالیس دن تک رہے۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا اگر علقہ ساقط ہوا ہے تو اسکو چالیس دینار دیت میں ادا کرنے چاہئیں میں نے دریافت کیا کہ علقہ کی کیا حد ہے۔ فرمایا رحم میں پڑنے سے اسّی دن گذرنے تک علقہ ہے۔ اور اگر مضغہ ساقط ہوا ہے تو ساٹھ دینار دیت ہے میں نے عرض کیا مضغہ کی حد کیا ہے؟ فرمایا رحم میں پڑنے سے ایک سو بیس[120] دن گذر جائیں پھر حضرت نے فرمایا اگر نسمہ مخلقہ ساقط ہوا ہے کہ جس میں گوشت پوست اور ہڈی ہو اور اوسکے اعضاء مرتب ہوں اور روح عقلانی اس میں پھونکی جاچکی ہے تو اس پر پوری دیت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؑ آپ اس امر میں کیا فرماتے ہیں کہ آیا نطفے کا ایک حال سے دوسرے میں منقلب ہونا روح کے ذریعہ سے ہے یا بلا روح حضرتؑ نے فرمایا روح کے ذریعے۔ سوائے اس حیات قدیم کے جو باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں منقلب ہوتی رہتی ہے اور اگر اس میں سوائے حیات قدیم روح نہ ہوتی نطفہ رحم میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منقلب نہ ہوتا اور اس وقت اس حال (حالت نطفہ) میں اُسکے قاتل پر دیت نہ ہوتی۔ انتہیٰ۔

اس مضمون کی اور بہت سی احادیث ہیں اور یہ حدیث بالصراحتہ ہمارے مقصود پر دال ہے کہ تمام اشیاء ہر حالت اور ہر نشاء میں اور ہر عالم میں ذی روح ذی حیات اور صاحب شعور ہوتی ہیں ابتدائے سوال سائل یہ ہے کہ کسی نے اپنی عورت کے حالتِ حمل میں لات ماری۔ اس کا حمل مردہ ساقط ہوا حضرتؑ نے فرمایا اگر حمل نطفے کی حالت میں ساقط ہوا ہے تو اس کو بیس دینار دیت میں ادا کرنے چاہئیں۔ یہانتک کہ حضرت نے فرمایا اگر اس میں روح عقلی پھونکی جاچکی ہے۔ تو اس کو ساٹھ دینار دیت دینے چاہئیں۔ سائل کو نطفہ۔ علقہ۔ مضغہ کی حیات میں شُبہ ہوا۔ کہ اس نے میّت کا لفظ بولا تھا اور حضرتؑ نے بھی جواب میں نطفہ۔ علقہ۔ مضغہ پر بھی میّت کا اطلاق کیا اسلئے سائل نے صراحتہً پوچھا کہ آیا بطنِ مادر میں نطفے کا ایک حال سے دوسرے حال میں متحوّل و منقلب ہونا روح کے ذریعہ سے ہے یا بغیر روح حضرتؑ نے فرمایا یہ تحوّل روح ہی کے ذریعہ سے ہے اور یہ روح علاوہ اس حیات قدیم کے ہے جو اصلابِ آباء و ارحام امہات میں نقل ہوتی رہتی ہے۔ پھر توضیحاً فرمایا

اگر اس میں روح نہ ہوتی تو نطفہ شکم مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف متحوّل و منقلب نہ ہوتا اور ایک حال سے دوسرا حال پیدا نہ کرتا۔ اور پھر حکم دیت ثابت کرنیکے واسطے فرمایا اگر اس میں روح نہ ہوتی تو اس بے روحی کی حالت میں اسکے قاتل پر دیت بھی نہ ہوتی اور نیز حکم دیت کی علت بیان کرنیکے بعد تاکید اثبات کیلئے لفظ (من قتلہ) فرمایا۔ جو نطفہ کے ذی روح ہونے پر دال ہے کیونکہ قتل کا لفظ ذی روح ہی پر بولا جاتا ہے۔ غیر ذی روح پر نہیں بولا جاتا ۔

علاوہ اسکے ملاحظہ فرمایئے۔ کہ روز عاشورہ حضرت امام حسینؑ کی خاک پاک میں خاص اثر محسوس ہوتا ہے اور وہ سرخ ہوجاتی ہے اور وہ شجر حجر۔ کیڑے مکوڑوں۔ درندوں۔ چرندوں اور پرندوں کا تکلم کرنا اور وحدانیت خدا اور رسالت رسولؐ اور امامت ائمہ پر شہادت دینا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ نیز حضرتؐ کا سنگریزوں کی آواز لوگوں کو سنواتا اور اصحاب رسولؐ کا اس چوب خشک کی آواز اور اسکی توجہ و فغاں کو سننا جس پر تکیہ کر کے حضرتؐ موعظہ فرمایا کرتے تھے اور منبر طیار ہونیکے بعد جب حضرتؐ منبر پر وعظ فرمانے لگے تو اس ستون نے فریاد کی۔ جو رکن حنانہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جنگل میں بھیڑیئے اور سوسمار کا آپکی رسالت پر گواہی دینا۔ کھجور کے درخت کا چلّانا اور رسالت و ولایت کی شہادت دینا جو نخلہ صیحانی کے نام سے معروف ہے امت محمدیہ میں متواترات سے ہے۔

انجیل اہل البیتؑ یعنی صحیفہ سجادیہ ملاحظہ ہو کہ امام زین العابدینؑ ہلال سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ "ایھا الخلق المطیع الدائب السریع المتردد فی منازل التقدیر المتصرف فی فلک التدبیر الخ" امام علیہ السلام کے ہلال کو مخاطب کرنے اور اس پر لفظ مطیع۔ سریع متصرف متردد استعمال فرمانے سے ہلال کا صاحب شعور و ادراک ذی حیات و متحرک بالارادہ عالم۔ و قادر ہونا ظاہر و باہر ہے اور اسی صحیفہ میں ماہ مبارک رمضان پر حضرتؑ کا مکرر سلام بھیجنا مرقوم ہے ملاحظہ ہو دعائے وداع حالانکہ ماہ رمضان المبارک نہ جمادات میں داخل ہے نہ نباتات میں اور نہ اجرام سماوی سے ہے حضرتؑ فرماتے ہیں "السلام علیک یا شھر اللہ الاکبر (الی ان قال) السلام علیک کما وفدت علینا بالبرکات وغسلت عنا دنس الخطیئات السلام علیک غیر مودع برما الخ" یعنی سلام ہو تجھ پر اے خدا کے ماہ بزرگ ... سلام ہو تجھ پر جیسا کہ تو ہم پر نعمات و برکات کیساتھ آیا اور ہم سے تو نے آلائش خطیئات کو پاک کیا سلام ہو تجھ پر کہ تو بہ ناراضی وداع نہیں کیا گیا؟۔

ایک صاحب عقل سلیم جانتا ہے کہ اگر ماہ مبارک فی روح ذی حیات و صاحب علم و شعور و ادراک نہ ہوتا۔ تو حضرتؑ کا اس سے خطاب کرنا اور اس پر سلام بھیجنا محض لغو و فضول ہوگا اور امام کی شان اس سے

کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ کہ اس سے فضیل امر سرزد ہو علیٰ ہذالقیاس کتاب بحار الانوار میں حضرت امام زین العابدین وامام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہ السلام کے حالات میں ہرن۔ بھیڑیئے۔ چیتے اور پرندوں کا اور اک کلیات ملاحظہ کیجئے۔ کہ اپنی تمام ضرورتوں اور حاجتوں میں ان حضرات کیطرف رجوع کرتے تھے اور حاضر خدمت ہوتے تھے اور دادرسی چاہتے تھے اور وہ ائمہ علیہم السلام کی اتنی معرفت رکھتے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ حضرات انکی بولی سمجھتے ہیں اور حاجت پوری کر سکتے ہیں اور یہی ہر شے کا ملجا وماویٰ ہیں۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ہمارے فاضلین حضرات معصومینؑ کی معرفت میں ان حیوانات سے بھی بہت گھٹے ہوئے ہیں کہ آنحضرت کیلئے جملہ السنہ کا حاصل ہونا محال جانتے ہیں اور حضرت کے عالم علم قرآت وکتابت ہونے پر تمسخر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اثنا عشری ۲۲ دسمبر ۱۹۰۸ء کی عبارت جو ہمیشہ نقل کی جا چکی ہے جہاں فرماتے ہیں یہ علم قرأت وکتابت عربی کے اختیار کرنیکے بعد ان کو یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ کتابت کے جمیع اقسام کا وجود بھی حضرتؐ میں ثابت کریں" بیشک ایسا ہی ہے اور حضرتؐ ضرور ابتدائے خلقت سے جملہ السنہ اور تمام اقسام خط وکتابت کے عالم تھے بلکہ مسلمات مذہب شیعہ سے ہے۔ کہ امام ہر ایک ذی لسان کی زبان اور بولی کو سنتا اور سمجھتا ہے بلکہ ہر ایک آواز کو ضبط ومحفوظ رکھتا ہے دیکھو تفسیر اُذنٌ واعیۃ۔ اور یہ علائم امامت سے ہے۔ ملاحظہ ہوں حالات ائمہؑ وخصائص امامت۔

بہر صورت ثابت ہے اور یہی اصل دین ہے اور یہی تعلیم معادن علوم ومہابط وحی ومعالم التنزیل والتاویل اور اسی پر احکام مبنی ہیں کہ ہر ایک شے اپنے وجود کے موافق۔ حیات۔ علم۔ قدرت ادراک شعور وسمع وبصر رکھتی ہے۔ جو شخص حضرات معصومینؑ کو مؤید وملھم من اللہ جانتا ہے اور انکی ولایت مطلقہ کا قائل ہے وہ ہرگز اس امر کا انکار نہیں کر سکتا اور اس کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ایسے آثار واخبار کی محض اس غرض سے تاویل کرے کہ اسکے سمجھ سے باہر ہیں۔ یا وہ بعض اشیاء میں ان اوصاف (حیات۔ علم۔ قدرت ادراک۔ شعور سمع وبصیر وغیرہ کا) احساس نہیں کر سکتا۔ لاریب "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ" ہر شخص جس شے کا انکار کرتا ہے اور اسکی تکذیب کرتا ہے جس پر اس کا علم ناقص احاطہ نہیں رکھتا۔ لیکن اہل ایمان کی یہ شان نہیں اور جو لوگ کل ما جاء بہ النبی پر ایمان رکھتے ہیں وہ اسکے منکر نہیں ہو سکتے۔ ما آتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ جو کچھ رسول فرمائے اس کا ماننا ضروریات دین سے ہے اور جس سے وہ منع کرے اس سے باز رہنا لازم۔ بلکہ عقلاء کے نزدیک بھی کسی شے کا علم نہ ہونا اور اسکی ماہیت کا مجہول الکنہ رہنا اسکے عدم کی دلیل نہیں۔ عدم الوجدان لیس

بدلیلِ العلم "

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اخبار صحیحہ نبویہ اور اخبار ائمہ اطہار علیہم السلام سے ولایت کا منکر ہو۔ یا انکی محض اپنی نافہمی کی وجہ سے تاویل کرے تو آیات صریحۃ الدلالۃ اس دعوے کے اثبات کیلئے موجود ہیں۔ کہ تمام اشیاء نطق وشعور و ادراک و احساس و علم و قدرت و سماعت و بصارت رکھتی ہیں:۔

آیات مبارکات۔ اوّل: "قَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ" اور قیامت کے دن گنہگار لوگ اپنی جلدوں سے کہینگے۔ کہ تم نے ہمارے برخلاف شہادت کیوں دی ہے؟ تو وہ جواب میں گویا ہونگی کہ ہم کو اُس ذات پاک اور صانع عالم اللہ جل شانہ نے نطق گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نطق اور گویائی عطا کی ہے۔ اس آیت میں جلود کے کلام کرنے کو نطق اور گویائی سے تعبیر کیا گیا ہے اور لفظ ناطق ان پر بولا گیا ہے۔

دوم: "وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ" ہم کو طائروں کی زبان سکھائی گئی ہے۔ اس میں بھی پرندوں کی بولی کو نطق کہا گیا ہے اور وہ ناطق کہلاتے ہیں۔

سوم: "قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ" ایک چیونٹی نے چیونٹیوں سے کہا اے چیونٹیو اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔

چہارم: فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا" حضرت سلیمان ان کا یہ قول سنکر ہنسے لہٰذا دونوں آیتوں میں چیونٹی کے کلام کو قول کہا گیا ہے اور قول اور نطق ذی روح کے ہی کلام کو کہتے ہیں اور قال وہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ پس چیونٹیاں بھی نطق و گویائی رکھتی ہیں اور بات کرتی ہیں:۔

پنجم۔ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ" ہدہد نے کہا میں نے اسی چیز کا احاطہ کیا جسکا احاطہ نہ کیا گیا تھا اور کوئی وہاں تک نہ پہنچا تھا اس میں ہدہد کے کلام کو بھی قول ہی سے تعبیر کیا گیا۔

ششم: "يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ" اے پہاڑو اور اے طائرو اسکے ساتھ تسبیح کرو۔

ہفتم: "سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" تسبیح کی اللہ کی ہر اوس چیز نے جو زمین و آسمان میں ہے:۔

ہشتم: "قَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ" آسمان اور زمین سے خدا نے کہا آؤ طوعاً یا کرہاً۔ انہوں نے کہا ہم آئے اطاعت کیساتھ"

نہم۔ يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" جو کچھ زمین و آسمان میں ہے خدا کی تسبیح کرتا ہے"

وہ سم "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ" کوئی شے نہیں ہے مگر یہ
کہ وہ خدا کی حمد و ثنا کی تسبیح پڑھتی ہے۔ لیکن تم انکی تسبیح کو ادراک نہیں کرتے۔ ان آیات خصوصاً
آیۂ اخیر سے تمام موجودات ارضی و سماوی میں اوصاف مذکورہ۔ حیات، علم، قدرت اور ادراک احساس،
شعور، سماعت و بصارت کا موجود ہونا ثابت ہے۔ اور ظواہر و نصوص آیات کا انکار یقیناً موجب
کفر ہے۔ اور بحکم آیہ شریفہ "لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" ہم کو حق تاویل حاصل نہیں
جبتک کہ ان معادن علوم و مہابط وحی سے اس کی تاویل مروی نہ ہو جو راسخون فی العلوم ہیں۔ ایسی
آیت آخرہ سے بنا بر سببیت بائے "بحمدہ" اور اضافت مصدر (تسبیح) بطرف فاعل یعنی اشیاء
ان اشیاء کا متعلّم بتعلیم الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی بتعلیم الٰہی وہ عالم ہیں اور اسکی تبلائی ہوئی حمد سے
تسبیح کرتی ہیں پس گویا یوں کہا گیا ہے "یُسَبِّحُ بِتَسْبِیْحِہٖ او بحمدہ بحمدہ او یسبح بحولہ و قوتہ"
اور خداوند عالم نے جو حمد کو اپنی طرف مضاف کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علت علم و شعور و ادراک
و احساس وغیرہ وہی معیت قیومیہ ہے۔ اور چونکہ جمیع اشیاء صاحب علم و ادراک و شعور تھیں اسی وجہ سے
ضمیر جمع عاقل (ھُم) کو اس پر اطلاق کیا جو ذوی العقول کیلئے بولی جاتی ہے۔ ان شواہد و دلائل
و آیات کو ملاحظہ کرنیکے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ مطلق نطق یا ادراک کلیات کو انسان کی فصل ممیز و مقوم
قرار دینا مسلّم و محقق نہیں۔ اور اس اختلاف و اشتباہ کا منشاء و مدرک یہی ہے کہ حقایق اشیاء اور انکی
حدود و کمالات کو کماحقہ کسی نے ادراک نہیں کیا اور بڑے بڑے حکماء مثل ابوعلی و شارح مقاصد
وغیرہ حکما نے بھی اس کا اعتراف و اقرار کیا ہے کہ حقایق اشیاء کو سوائے خاصان خدا انبیاء و اولیاء اللہ
کے اور کوئی نہیں جانتا اور اسلئے انکے لوازم کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ اور یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ جب
عام اشیاء کی حقیقت سے ہم واقف نہیں ہو سکتے اور اس لئے انکے لوازم وجود اور اوصاف خاصہ
کا احاطہ نہیں کر سکتے اور انکی صحیح تعریف نہیں کر سکتے تو انبیاء اور اولیاء اللہ خصوصاً صاحب نبوت
و ولایت مطلقہ کی حقیقت کا کون ادراک کر سکتا ہے اور اسکے لوازم وجود اور اوصاف خاصہ سے واقف
ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مقتضائے عقل و دیانت یہی ہے کہ ہم انکی تعریف اور انکے اوصاف بیان کرنے
میں ان سے سبقت نہ کریں جو کچھ وہ خود فرمائیں مان لیں اپنی رائے اور قیاس سے انکے فضائل و مناقب
میں دخل نہ دیں ممکن ہے کہ ہم جس شے کو انکے لئے باعث فضیلت سمجھ رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جہالت
خاتم النبیین کیلئے فخر و فضیلت ہے دراصل موجب توہین و تذلیل ان بزرگواروں کی ہو۔ ہم جہالت کو فضیلت
و موجب فخر اس وقت کہ سکتے ہیں جبکہ خود انہوں نے ایسا فرمایا ہو کہ جہالت ہی میرے لئے فخر و فضیلت ہے

اور سب کیلئے عیب و نقص" "فان دین اللہ لا یصاب بالقیاس" "اللّٰھُمَّ احفظنا من شرور انفسنا و زلۃ اقدامنا"

صحیح تعریف انسان اور اسکی فصل ممیز

جبکہ انسان کی تعریف حقیقت انسان اور اُسکے لوازم وجود کے نہ پانے اور اُس پر احاطہ نہ کرنیکی وجہ سے ہمارے لئے ناممکن ہے تو لازم ہے کہ اُسکے آثار جاریہ سے تعریف کیجائے۔ اور جب مطلق نطق تمام جنس حیوان میں مشترک ہے اور ادراک کلیات یا مشترک یا لازم خفی ہے۔ تو یہ تعریف ناقص رہی اور ضروری ہوا کہ کلام حمید مجید اور صاحبان معجزات یا ہرات کیطرف رجوع کیا جائے۔ جنکے گھر میں اور جنکی شان میں اور جن کیلئے قرآن نازل ہوا ہے" "قال عزمن قائلہ" "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ" "(رحمٰن نے قرآن پڑھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور اسکو بیان سکھایا)

تفسیر الخازن "قیل الانسان اسم جنس اراد بہ جمیع الناس فعلیٰ ھذا یکون معنی علمہ البیان" "ای النطق الذی یتمیز بہ عن سائر الحیوان وقیل علمہ الکتابۃ والفھم والافھام حتیٰ عرف ما یقول وما یقال لہ (وفی المجلد الرابع عشر من البحار) علمہ البیان قیل ایماء بان خلق البشر وما یتمیز بہ عن سائر الحیوان من البیان وھو التعبیر عما فی الضمیر وافھام الغیر لما ادرکہ لتلقی الوحی وتعرف الحق وتعلم الشرع"

یعنی **خازن بغدادی** آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض کا قول یہ ہے کہ انسان اسم جنس ہے اور علمہ البیان کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے انسان کو وہ نطق سکھایا جسکے سبب وہ تمام دوسرے حیوانات سے ممیز و ممتاز ہوتا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ خدا نے انسان کو لکھنا سکھایا اور سمجھنا و سمجھانا۔ جہانتک کہ وہ سمجھتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اور جو اس سے کہا جاتا ہے۔ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار کی چودھویں جلد میں فرماتے ہیں کہ "علمہ البیان" میں اسکی طرف اشارہ ہے کہ خلق البشر اور وہ شے جس سے انسان دوسرے حیوانات سے ممیز و ممتاز ہوتا ہے۔ بیان ہے یعنی اپنے ما فی الضمیر کو ظاہر کرنا اور اپنے مدرکات و معلومات دوسرونکو سمجھانا (اور یہ) وحی کے لینے اور حق کے پہچاننے اور شریعت کے سیکھنے کیواسطے ہے" انتہی

ماحصل یہ ہوا کہ نطق بمعنی گفتن مطلق (بولنا) تمام موجودات میں مشترک ہے۔ اور کوئی ذرہ عالم اس سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت سرور کائنات نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ "لکل ذرۃ لسان ملکوتی ناطق بالتسبیح" "ہر ایک ذرہ ایک لسان ملکوتی رکھتا ہے۔ جو اسکی تسبیح میں گویا ہے۔ اور خدا فرماتا

سُبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیٔ"۔ پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر شے کا ملکوت ہے اور فرمایا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ"۔ اور نطق بمعنی گفتن بزبان۔ بطور اطلاق معروف۔ حیوان وانسان دونوں میں مشترک ہے جس پر "عُلّمنا منطق الطیر"، وغیرہ شاہد ہیں اور وہ نطق خاص جو انسان سے مخصوص ہے وہ بیان ہے۔ خازن بغدادی نے اپنے پہلے قول میں بیان کے معنی وہ نطق انسانی لئے ہیں جس سے وہ تمام دوسرے حیوانات سے ممیز ہوتا ہے۔ اور دوسرے قول میں بیان کے معنی۔ کتابت وفہم وافہام لئے ہیں"۔

قول اوّل نہایت خفی ہے اور اس کا انسان کیلئے فصل ممیز قرار پانا بہت مشکل۔ البتہ علامہ مجلسی نے جو فرمایا ہے وہ قول بہت ہی متین ہے اور مطابق لغت واصطلاح۔ کیونکہ انہوں نے بیان کے معنی "ما فی الضمیر کو ادا کرنا اور دوسرے کو اپنے مدرکات ومعلومات سمجھانا" کئے ہیں اور پھر فہم وافہام کو تلقی وحی تعرف حق اور تعلم شرع سے مخصوص کیا ہے اور یہی خصائص انسانی ہیں اور لغت واصطلاح میں بیان کے معنی یہ ہیں "البیان ما تبیّن بہ الشیٔ من الدلالۃ وغیرھا" پس حق قول مجلسی وقول ثانی علامہ بغدادی ہوگا:۔

اللہ تعالیٰ نے بیان کو اپنے کلام کی طرف بھی منسوب کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے "ھذا بیانٌ للنّاس" اور معادن حکمت الٰہیہ ائمہ علیہم السلام کی بہت سی دعاؤں میں۔ "یا ذا المنّ والبیان" وارد ہوا ہے۔ یہاں سے حقیقت واصلیت بیان بخوبی منکشف ہوجاتی ہے کہ بیان کیا شے ہے اصل معنی بیان "کشف وظہور" ہیں اور اصطلاح میں اپنے مقصود وما فی الضمیر کو بالمغ وجہ واحسن صورت" ظاہر وآشکار اکرنے کو بیان کہتے ہیں اور بیان دو قسم پر ہے۔ بیان قولی وبیان فعلی اور بیان فعلی اعظم وافضل واشرف نعمات الٰہیہ ہے کیونکہ اسی سے ایجاد تمام ہوتی ہے۔ جیسا کہ اول صادر از مصدر۔ کلمۂ (کُنْ) سے موجود ہوا لیکن لفظ کن بلکہ کُن سے مراد نفس ایجاد ہے اور حضرت سر اللہ فی العالمین روحی لہ الفداء نے اپنے ایک خطبے میں تصریح فرمادی ہے لا بصوتٍ یقرع ولا بنداءٍ یُسمع وانّما کلامہ سبحانہ ایجادہ او فعلہ "یعنی یہ کوئی آواز نہیں ہے۔ جو ہوا میں کھٹکا پیدا کرتی ہے اور نہ ندا ہے جو کان سے سنائی دیتی ہے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام عین ایجاد ہے۔ یا عین فعل ہے اسی واسطے خالق عالم نے بیان کو خلقت انسانی کا ردیف قرار دیا ہے اور خلق کے ساتھ متصلاً بلا واسطہ اس کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ خلق الانسان علّمہ البیان "کیونکہ خلقت انسان بعد بیان تمام نہیں ہوتی۔ پس بیان الٰہی

دو قسم کا ہے ایک بیان فعلی یعنی نفس ایجاد پس جملہ موجودات بیانِ فعلی خدا ہیں۔ دوسرا بیان قولی یعنی ایجاد کلام وقت تکلم مثلاً قصہ حضرت موسیٰ۔ و آنحضرتؐ شب معراج وغیرہ اور بیان انسان پس وہ ایک قوت نفسانیہ باطنیہ ہے جو اسکو خدا نے عطا کی ہے۔ جسکے ذریعے سے انسان اپنے مافی الضمیر و مدرکات و معلومات کے مقابل الفاظ فصیحہ و بلیغہ ایجاد کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور ان الفاظ سے اپنے مدرکات و معلومات و مافی الضمیر کو دوسروں کو سمجھاتا ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے حروف و نقوش و خطوط و اشکال ایجاد کرتا ہے اور ان خطوط و نقوش سے اپنے مدرکات کو ظاہر کرتا سمجھاتا اور باقی رکھتا ہے۔ جس کو قوت تصرف و ایجاد یا قوت تصرف و تاثیر کہتے ہیں اور اول کو بیان لفظی دوسرے کو بیان فعلی سے تعبیر کرتے ہیں:۔

پس لغتہً و اصطلاحاً معلوم ہوا کہ بیان اعم ہے قول و فعل (کتابت) سے بیان قولی بھی ہے اور بیان فعلی بھی صرف ایک پر اطلاق کرنا درست نہ ہوگا۔

پس اسی وجہ سے کہ "بیان فعلی و اعظم و افضل و اشرف و اتم و ابقیٰ ہے۔ حضرت حق جل وعلا نے اپنی سب سے اعلیٰ و اقدم و اعظم نعمت یعنی خلقت ذات کے ساتھ اس اشرف و اعلےٰ نعمت یعنی تعلیم بالقلم (بیان فعلی) کو اپنے کلام پاک کی پہلی سورۃ میں بیان فرمایا۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم" (پڑھ اور تیرا پروردگار وہ بزرگ و برتر و ذات کریم ہے جس نے تعلیم بالقلم دی ہے (لکھنا سکھایا ہے) علی ابن ابراہیم اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ قال اقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الذی خلق خلق الانسان من علق قال قال من دم۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم یعنی علم الانسان الکتابۃ بھا تیم امور الدنیا فی مشارق الارض ومغاربھا انتہی" خلاصہ ترجمہ۔ پڑھ نام اس اللہ کا جو رحمٰن و رحیم ہے اور اس نے دنیا کو خلق فرمایا ہے اور انسان کو خون منجمد سے پیدا کیا ہے اور لے نام اپنے اس پروردگار کا جو ایسا اکرم الاکرمین ہے جس نے انسان کو تعلیم بالقلم دی یعنی وہ لکھنا سکھایا جس سے تمام مشرق و مغرب عالم کے امور انجام پاتے ہیں اور جناب شیخ طبرسی "ن والقلم" کی تفسیر میں اختلافات معانی "ن" کو بیان فرمانے کے بعد کہتے ہیں۔ والقلم ھو الذی یکتب بہ اقسم اللہ بہ لمنافع الخلق اذ ھو احد لسانی الانسان یؤدی عنہ مافی جنانہ ویبلغ البعید عنہ ما یبلغ القریب بلسانہ وبہ یحفظ احکام الدین وبہ یستقیم امور العالمین وقد قیل ان البیان بیانان بیان اللسان وبیان البنان۔ بیان اللسان تدرسہ الاعوام وبیان الاقلام باق علی مر الایام انتہیٰ۔ یعنی قلم وہی ہے جس سے لکھا جاتا ہے اور اللہ نے

اسکی اسوجہ سے قسم کھائی ہے کہ اس پر بہت سے منافع خلق موقوف ہیں۔ کیونکہ قلم ہی انسان کی دو زبانوں میں سے ایک ایسی زبان ہے۔ جو اسکے مافی الضمیر کو ادا کرتی ہے اور دور دور کے لوگوں کو پہنچاتی ہے۔ جو قریب والوں کو اپنی زبان ناطق سے پہنچاتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے احکام دین کی حفاظت ہوتی ہے اور امور عالمین درست منتظم و مستقیم رہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بیان دو ہیں۔ ایک بیان زبان دوسرا بیان بنان (یعنی پوروں اور انگلیوں کا بیان) زبان کے بیان (الفاظ) کو سال و برس (بلکہ ساعات) نیست و نابود و فنا کر دیتے ہیں۔ بیان قلم مرور ایام تک باقی رہتا ہے اور سالہا سال تک نہیں مٹتا:-

یلوح الخط فی القرطاس دھراً

وکاتبہ رمیم فی التراب۔

امام فخر الدین رازی۔ تحریر فرماتے ہیں۔ والقلم فیہ الوجھان احدھما ان المقسم بہ ھو ھٰذا الجنس وھو واقع علی کل قلم فی السماء والارض کما قال ربک الاکرم الذی علم بالقلم یعنی خدا نے جو قلم کی قسم کھائی ہے اس میں دو وجہیں ہیں:- ایک یہ کہ مقسم بہ یہی جنس قلم ہے اور وہ شامل ہے۔ ہر ایک قلم ارضی و سماوی کو جیسا کہ خدا اس آیت "و ربک الاکرم الخ" میں فرماتا ہے۔ امین الاسلام شیخ طبرسی نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ اکثر مفسرین علماء کے تحریرات میں بتغییر عبارات موجود ہے اہل بیان کیلئے تو چنداں ان اقوال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کلام پاک خود شاہد ہے۔ بشرطیکہ کلام کو حضرات ہمہ شما کے کلام پر ترجیح دیں اور اسکی وقعت سمجھیں والا فلا۔ ظاہر آیہ شریفہ سے چند مطلب صاف صریح مستنبط ہوتے ہیں:-

اوّل اس آیۂ مبارکہ میں لفظ اکرم استعمال ہوا ہے اور کسی مقام پر اکرم نہیں آیا۔ مقام عفو و بخشش میں خدا نے ہر جگہ اپنے کو کریم فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:- یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک (الانفطار) اور کریم بلا عوض عطا کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اگر مدح و ثنا کے عوض کوئی کچھ دے تو وہ کریم نہیں کہلائیگا۔ پس عطائے حضرت حق عوض مدح و ثنا بھی نہیں ہے اور نعماء الٰہیہ لا تعد و لا تحصٰی ہیں چنانچہ فرمایا ہے:- و آتاکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا یعنی خدا نے تجھکو ہر وہ چیز عطا کی جس کی تمہاری زبان حال یا مقال سائل تھی اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننے لگو تو انکا احاطہ نہیں کر سکتے اور اعظم ترین نعمات الٰہی عفو و مغفرت ہے اور وہاں لفظ کریم ہی فرمایا ہے لیکن آیہ مبارکہ میں جہاں اپنی عطاء تعلیم بالقلم (کتابت) کا ذکر ہے اپنے کو لفظ اکرم (کریم تر) سے یاد فرمایا ہے جو افضل التفضیل کا صیغہ ہے اور مبالغہ فی الکرم کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

لکھنا ہی اعظم و اشرف و افضل و اعلےٰ ترین نعمات الٰہیہ سے ہے۔ اور کیونکر ایسا نہ ہو حالانکہ تمام امور معاد و معاش و نظام عالم و تدابیر منازل و مدن اسی قلم کے ذریعہ سے تمام و منتظم ہوتی ہیں۔ اور تمام صنعتیں و حرفتیں تحریر ہی کے ذریعہ سے درجہ کمال کو پہنچتی ہیں۔ ورد کلام انسانی (الفاظ) ہوائی۔ غیر باقی اور آنی الانعدام ہے صرف ایام ہفتہ ہی کے انضباط کو ملاحظہ کیجئے جس سے روزمرہ کے تمام امور مربوط ہیں۔ اگر یہ در تحت کتابت نہ ہوتے اور تحریر میں نہ آتے۔ تو کیسے کیسے فسادات پیدا اور کیسے کیسے تنازعات برپا ہوتے بلکہ اگر دنیا میں قلم کا وجود نہ ہوتا معاشرت و معیشت کا دروازہ بند ہو جاتا۔ علیٰ ہذا القیاس امور معاد و آخرت و احکام دین بھی اسی قلم سے منتظم و منضبط ہیں اسی قلم کا طفیل ہے کہ آج سات ہزار سال کے بعد گویا حضرت آدمؑ ہم سے باتیں کر رہے ہیں۔ اسی تحریر کی وسیلے سے تمام کتب منزلہ و صحف انبیاء ہمارے پاس موجود ہیں اور اسی کتابت کے سبب سے ابتداء عالم کے حالات ہمارے پیش نظر ہیں اور ہم اپنے آباؤ اجداد و سابقین کو دیکھ رہے ہیں اور انکے حالات کا مطالعہ کر رہے ہیں اسی کتابت کی سیاہی ہے جو خون شہداء سے افضل شمار ہوتی ہے۔ "مداد العلماء افضل من دماء الشهداء" اور کتابت کے دینی و دنیوی اتنے منافع ہیں کہ ہمارے عقول یقیناً انکے احاطہ سے قاصر ہیں۔ "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" دینے والا جانے کہ اس نے کیا دیا اور لینے والے جانیں کہ کیا عطا کیا گیا۔ لفظ اکرم ہماری عقلوں کے عجز و قصور پر بالصراحة دال ہے اگر سوائے نعمت کتابت اور تعلیم بالقلم کے اور کوئی برہان و دلیل و قائق حکمت و لطائف تدابیر الٰہیہ پر نہ ہوتی تو صرف یہی ایک دلیل سورہ اسرار حکم و تدابیر الٰہیہ پر کافی تھی دوم۔ آیہ شریفہ میں "علم بالقلم" "علم الانسان مالم یعلم" پر مقدم ہونے سے تعلیم بالقلم کا تقدم و شرف مطلق تعلیم پر ثابت ہے اور اس سے کتابت کی افضلیت و اشرفیت مطلق تعلیم علوم سے ظاہر و باہر۔ سوم خداوند عالم نے جو تعلیم بالقلم کو دو مرتبہ لفظ خلق ذکر کرنے کے بعد بیان فرمایا ہے۔ یہ تنبیہ بلکہ اس امر کی تصریح ہے۔ کہ تعلیم بالقلم نسبت بخلق تکوینی و خلق تحویلی انسان کے عرض ذاتی اور طبعی و وہبی ہے۔ اور علقہ وہ ہی خلق تحویلی کا درجہ ہے کہ نطفہ درجہ ثانیہ و عالم ثانی میں علقہ کی صورت میں منقلب و متحول ہو جاتا ہے" اور اس میں ایک حکمت خاص ہے۔ جو طبیعت تشکیل انسانی کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ کتابت کے لئے (بخلاف مطلق تعلم) آلات طبیعتہ بدنیہ کا ہونا لازمی و ضروری ہے جو بوضع مخصوص اور بہ حیثیت خاصہ لکھنے کیوقت مہیا ہونے چاہئیں کہ باسانی لکھ سکے وہ آلہ انسان کا ہاتھ ہے۔ جو بطرز خاص و بہیئت خاصہ خلق کیا گیا ہے اور اس ہاتھ کو ایسی حرکات کا آلہ نہیں بنایا ہے جو لکھنے میں مانع و مانع ہوتی ہیں مثلاً پاؤں۔ کیونکہ اگر اسکو دہاتے ہیں چلنے کا آلہ بنایا جاتا تو علاوہ دیگر مفاسد کے ہمیشہ کثیف رہنا اور تضیع

مکتوب کا باعث ہوتا۔ اور چلتے چلتے لکھنا بھی ناممکن تھا۔ اور علقہ اسی قت کہلاتا ہے کہ جبکہ نطفہ میں خون حیض سے بذریعہ نقاط دمویہ خطوط پیدا ہوجاتے ہیں اور اسکے بعد وہ متشکل ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور سرخی ظاہر ہونے لگتی ہے اور خون منجمد ہونے کی مانند ہوجاتا ہے۔ اور ایک سیح اس قت اس میں حرکت کرتی ہے۔ اور پھر وہ مضغہ کہلانے لگتا ہے۔ اور ایک گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ اور تب اس میں اعضاء موافق حکمت الٰہیہ متشکل و مترتب ہونے شروع ہوتے ہیں اور ہر ایک عضو ایک خاص کام کیواسطے مہیا کیا جاتا ہے غرض بعد ذکر خلق مقام تحولی میں علقہ کے بعد تعلیم بالقلم کا ذکر کیا ہے جس میں لطیف نکتہ اس امر کی طرف ہے کہ کتابت کیلئے آلات بدنیہ کا وجود ضروری ہے۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین"

یہاں سے بخوبی ثابت ہے۔ کتابت من حیث الفطرۃ الانسانیہ میں موجود ہے اور فطریات اولیہ سے ہے اور اسکے خصائص ذاتیہ میں داخل۔ اور یہی اسکی فصل ممیز ہے۔ جو تمام دیگر حیوانات سے تمیز دیتی ہے۔ وہو المطلوب۔ اور جب کہ کتابت جنس انسان کی فطرت میں داخل اور اسکو اول تعلیم ہوئی ہے۔ تو انسان اول کبھی اس سے جاہل نہیں چہ جائیکہ مصنوع و مخلوق اول کرام الامکان و ابو الاکوان ہے اور اسی طرح اسکا نفس وجود نور۔ سب سے پہلے کتابت اسکو تعلیم ہوگی۔ اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے علم علیا الکتابۃ لاث نانھم۔

حضرات قشریین یہاں یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ بیان و کتابت عرض ہیں اور فصل ممیز و مقوم ذاتیات سے ہونی چاہیئے۔ اس لئے کتابت فصل ممیز انسان نہیں ہوسکتی۔

جواب اس کا یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض عامۃ الورود ہے۔ نطق بمعنی ادراک کلیات پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ بالبداہتہ وہ عرض ہے۔ اور سابقاً اس اعتراض کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ ادراک حقائق چونکہ ہمارے لئے ممکن نہیں اسلئے لوازم و آثار جلیہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور شیخ الرئیس نے بھی اسکی تصریح کر دی ہے۔ اور کلام حمید مجید میں اس قسم کے استعمالات موجود ہیں صرف ایک مقام یہاں ذکر کیا جاتا ہے حضرت موسیٰؑ سے فرعون ملعون نے کہا۔ "وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ" (رب العالمین کیا ہے) آپ نے فرمایا۔ "رب السموات والارض وما بینھما ان کنتم موقنین" (یعنی آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار اگر تم یقین کرنے والے ہو) یہ جواب سن کر اس ملعون نے جناب موسیٰؑ کو جنون کی نسبت دی کیونکہ اس نے حقیقت رب العالمین سے سوال کیا تھا اور موسیٰؑ نے آثار سے جواب دیا۔ اور نطق بمعنی ادراک کلیات پر صریح اعتراض وارد ہیں اول یہ کہ ادراک کلیات کے معنی میں نطق کا استعمال شاید مخالف لغت ہے۔ دوم مطلق حیوانات سے ادراک

کلیات کی نفی درست نہیں خلاف واقع ہے۔

امام بحق ناطق وسر اللہ الفائق جناب جعفر الصادق علیہ السلام نے بھی مفضل رہ سے دلائل وشواہد توحید کو بیان فرماتے ہوئے اسی اعتراض عرضی وذاتی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تبرکاً مقام ضرورت کو ذکر کیا جاتا ہے "تامل یا مفضل ما انعم اللہ تقدست اسمائہ بہ علی الانسان من ھذا النطق الذی یعبر بہ عما فی ضمیرہ ویخطر بقلبہ ونتیجۃ فکرہ وبہ یفھم من غیرہ ما فی نفسہ ولولا ذالک کان بمنزلۃ البھائم المھملۃ التی لا تخبر عن نفسھا بشیٔ ولا عن مخبر شیئاً وکذالک الکتابۃ التی تقید اخبار الماضین للباقین واخبار الباقین للآتین وبھا تخلد الکتب فی العلوم والآداب وغیرھا وبھا یحفظ الانسان ذکر ما یجری بینہ وبین غیرہ من المعاملات والحساب ولولاہ لانقطع اخبار بعض الازمنۃ عن بعض واخبار الغائبین عن اوطانھم ودرست العلوم وضاعت الآداب وعظم ما یدخل علی الانسان من الخلل فی امورھم وما روی لھم بما لا یسعھم جھلہ" ترجمہ: اے مفضل غور وتامل کر اس چیز میں جس سے اللہ تعالیٰ نے انسان پہ انعام واکرام کیا ہے یعنی وہ نطق جسکے ذریعہ سے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے اور اپنے مدرکات ومعلومات قلب اور نتائج فکر کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے غیر کے خیالات اور اسکے مدرکات کو سمجھتا ہے۔ اگر یہ نطق نہ ہوتا تو انسان بھی مثل ان چوپاؤں کے ہوتا جو نہ اپنے حال دوسروں سے کہہ سکتے ہیں اور نہ کسی مخبر کی خبر کو بیان کر سکتے ہیں اور اسی طرح وہ کتابت جسکے ذریعہ سے گذشتہ لوگوں کی خبریں موجودین کیلئے اور موجودین کی آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے منضبط رہتی ہیں اور اسی کے سبب سے علوم وفنون، آداب واخلاق کی کتب ہمیشہ قائم وباقی رہتی ہیں اور اسی کے وسیلے سے انسان اپنے آپس کے معاملات وحسابات کو محفوظ رکھتا ہے اگر اس کتابت کا وجود نہ ہوتا تو ایک زمانے کے حالات دوسرے زمانے سے جدا ہو جاتے اور غرباء وپردیسیوں کے حالات انکے وطنوں سے قطع ہو جاتے اور علوم وفنون نیست ونابود اور اخلاق وآداب ضائع ہو جاتے اور لوگوں کے معاملات اور امور دین ودنیوی اور ان مرویات میں جن کا جاننا ضروری ہے خلل عظیم واقع ہوتا۔ اسکے بعد حضرت اسی اعتراض عرضی وذاتی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں "ولعلک تظن انھا مما یخلص الیہ بالحیلۃ والفطنۃ ولیست مما اعطیہ الانسان من خلقہ وطباعہ وکذالک الکلام انما ھو شیٔ یصطلح علیہ الناس فیجری بینھم ولھذا صار یختلف فی الامم المختلفۃ بالسنۃ مختلفۃ وکذالک الکتابۃ ککتابۃ العربی والسریانی والعبرانی والرومی وغیرھا من سائر الکتابۃ التی ھی متفرقۃ فی الامم انما اصطلحوا علیھا کما اصطلحوا علی الکلام" یعنی شاید اے مفضل تو یہ

گمان کرے کہ یہ کتابت ایسی چیز ہے جس کو انسان حیلے و زیرکی و دانائی سے حاصل کر لیتا ہے اور کوئی ایسی شے نہیں ہے۔ جو اللہ جل شانہ نے من حیث الخلقۃ والطبیعۃ انسان کو عطا کی ہو۔ اور ایسے ہی کلام ایک ایسی شے ہے جس پر لوگوں نے ایک اصطلاح قائم کر لی ہے۔ اور پھر وہ اصطلاح ان میں مروج و جاری ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے تمام امم کی زبان و کلام مختلف ہے۔ اور اسی طرح کتابت مثل کتابت عربی۔ سریانی۔ عبرانی اور رومی وغیرہ جو اور اور تحریرات و خطوط مختلف امتوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کلام اصطلاحی ہیں۔ اب حضرتؑ اسی شبہ کا جواب فرماتے ہیں "فیقال لمن ادعی ذالک ان الانسان وان کان له فی الامرین جمیعاً فعل وحیلة۔ فان الشیٔ الذی یبلغ به ذالک الفعل والحیلة عطیة وهبة من الله عزوجل له فی خلقته فانه لو لم یکن له لسان مهیأ للکلام وذهن یهتدی به للامور لم یکن یتکلم ابداً ولو لم یکن له کف مهیئة للکتابة لم یکن یکتب ابداً واعتبر ذالک عن البهائم التی لا کلام لها ولا کتابة فاصل ذالک فطرة الباری جل وعز وما تفضل به علی خلقه فمن شکر اثیب ومن کفر فان الله غنی عن العالمین" یعنی حضرتؑ فرماتے ہیں کہ اس شبہ کے جواب میں کہ کتابت و کلام محض فعل اختیاری انسان ہے۔ کہا جائیگا کہ بیشک اگرچہ ان دونو باتوں میں انسان کے فعل اور تدبیر کو دخل ہے (لیکن) وہ شے جس کے وسیلے سے انسان اس فعل و تدبیر پر پہنچتا ہے۔ عطیہ خداوندی اور موہبت الٰہی ہے جو من حیث الخلقت اسکو عطا کی گئی ہے۔ اگر اسکے لئے زبان مہیا نہ کی جاتی اور وہ ذہن جس سے امورات کو پاتا ہے موجود نہ ہوتا تو ہرگز کلام نہ کر سکتا اور اگر ہاتھ لکھنے کیواسطے تیار نہ کیا جاتا تو کبھی نہ لکھ سکتا۔ اور اس باب میں ان حیوانات سے نصیحت و عبرت حاصل کرو جو نہ کتابت رکھتے ہیں اور نہ کلام پس اصل اسکی فطرت الٰہی اور اپنی مخلوق پر اس کا تفضل ہے۔ پس جس نے اس کا شکریہ کیا وہ مستحق ثواب ہوا۔ اور جس نے انکار کیا پس خدا جمیع عالمین سے بے نیاز ہے۔ کوئی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

امام علیہ السلام نے اس بیان میں بیان قولی یعنی نطق خاص اور بیان فعلی یعنی کتابت دونو کو ذکر فرما دیا ہے۔ اور حضرتؑ نے کتابت کے ضروری ہونے اور اسکے من حیث الدین والدنیا انسان کے لئے لازمی ہونیکی بابت جو توضیحات و تشریحات فرمائی ہیں اور نطق کی نسبت شرح و بسط نہیں فرمایا اس سے ہر صاحب عقل و ذی شعور سلیم الطبع۔ صحیح الفہم بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ کتابت کا کیا مرتبہ ہے اور اسکے فوائد و عوائد نطق سے کس قدر زیادہ ہیں۔ بعد ازاں حضرتؑ اسکے عرضی ہونیکے شبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ شاید تو گمان کرے کہ یہ بات ممکن ہے کہ انسان کتابت کے ضروری ہونیکی وجہ سے

بواسطہ اُس زیرکی و دانائی کے جو اسمیں موجود ہے ایک حیلہ و تدبیر کرے اور کچھ علامات اختراع کرے اور ان علامات کے ذریعہ سے مقاصد اخذ کر کے اپنا مافی الضمیر دوسرے کو سمجھائے اور یہ بات ممکن ہے تو کتابت انسان کیلئے ذاتی نہ ہوئی اور اُسکی سرشت میں داخل نہ ٹھیری جیسا کہ لفظ خلق و طباع کے ترادف سے ظاہر ہے اور اسی طرح کلام بھی ایک ایسی چیز ہے جو لوگوں نے اپنے لئے ایجاد کر کے اصطلاح قرار دے لی ہے اور وہ ہی مروج ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے حسب اختلاف امم وہ مختلف ہے اور متفاوت زبانیں پائی جاتی ہیں جس قوم نے جو اصطلاح ٹھیرالی وہ ہی اس میں مروج ہو گئی ہے اور اسی طرح کتابت بھی مختلف ہے عربی، سریانی، عبرانی، رومی وغیرہ۔ بعد ازاں جواب شبہ میں فرماتے ہیں۔ ہاں یہ بات ممکن اور درست ہے کہ انسان کے فعل و تدبیر کو ان میں دخل ہے اور ہو سکتا ہے کہ انسان اس قسم کا کلام نہ کرے دوسری قسم کا کلام کرے اُس قسم کی کتابت نہ رکھتا ہو دوسری قسم کی رکھتا ہو لیکن وہ شے جسکے ذریعہ و وسیلے سے اس تصرف و تدبیر پر قادر ہوتا ہے وہ عطیہ خداوندی اور موہبت الٰہی ہے۔ جو اسکی ذات میں (جو مرتبہ خلق ہے) موجود ہے۔ پھر حضرت مقام جمع بین الخلق والطباع میں فرماتے ہیں۔ اگر زبان انسان کے کلام کرنیکے لئے مہیا نہ کی جاتی اور وہ ذہن جسکے ذریعہ سے امورات کا ادراک کرتا ہے۔ موجود نہ ہوتا تو ہرگز کلام نہ کر سکتا اور لکھنے کیلئے ہاتھ دیا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھتا اور چونکہ کتابت اور تکلم کا منشاء اختراع ایک ہی ہے اسلئے حضرتؑ نے منشاء کلام کو ذکر فرما کر منشاء اختراع کتابت کو ذکر نہیں کیا۔ پھر حضرت فرماتے ہیں کہ عبرت پکڑ اُن بہائم سے جو کلام و کتابت نہیں رکھتے اور پھر بطور توضیح و تاکید فرماتے ہیں کہ در اصل یہ کتابت فطری ہے جو خدا نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو عطا کی ہے۔

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ناظرین کو عنوان عقل کیطرف متوجہ ہونا چاہئیے جس میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ موجودات کو جو صفات عارض ہوتی ہیں وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ صفتیں جو موجود کو من حیث الوجود عارض ہوتی ہیں اور نفس تحقق وجود اُنکے عارض ہونے میں کافی ہے اور یہ صفات لوازم وجود کہلاتی ہیں اور دوسری قسم کی وہ صفات ہیں جو موجود کو اس وقت عارض ہوتی ہیں جبکہ وہ تخصص طبعی پیدا کر لے۔ بعد ازاں خلق و طباع کے معانی کا سمجھنا ضروری ہے۔ خلق کی چار قسمیں یا صورتیں ہیں اوّل **خلق تکوینی** اور یہ ایسی خلق ہے جو محتاج مدت و مادہ نہیں صرف ارادہ تکوینی باری تعالٰے شے سے متعلق ہوا اور مخلوق موجود ہو گئی۔ اذا اراد اللہ شیئاً فقال کن فیکون۔ جب خدا نے کسی چیز کے پیدا کرنیکا ارادہ کیا پس کہا (کُن) ہو جا پس وہ ہو گئی۔ "اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یکن شیئاً، ثم انشاناہ خلقاً آخر"

دوم خلق ابداعی) وہ مادی اشیاء کا بلا تحول زمانی خلق کرنا ہے۔ ولقد خلقنا السموات والارض الخ
سوم خلق تحویلی) جس میں مادہ درجہ بدرجہ متحول و منقلب ہو کر صورت خلقی اختیار کرتا ہے، جیسا کہ خدا
خلقت حیوانی و انسانی کی بابت فرماتا ہے۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ
نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ
عظاما فکسونا العظام لحما۔ اس خلق میں مادہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا ہے
اور بعد مراتب تحول و تحویل خلقت تمام ہوتی ہے۔
چہارم خلق تقدیری) مثل قول باریتعالیٰ متعلق حضرت عیسیٰؑ انی اخلق لکم من الطین
کھیئۃ الطیر۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ خلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا۔ اور طباع
شے کی سرشت خلق تحویلی اور خلق تقدیری کی حیثیت مجموعی کو کہتے ہیں۔ پس امام علیہ السلام نے جو
اپنی تقریر میں طباع کو خلق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کا ردیف قرار دیا ہے۔ یہ اس امر کی تصریح ہے
کہ اس مقام پر خلق سے خلق تکوینی بلا مادہ و مدت مراد ہے۔ جو مقام خلقت نفسانیہ انسانیہ ہے۔ اور
مدت و مادہ سے بری ہے۔ نفس جس کا تحقق عروض صفات قسم اول یعنی لوازم ذاتیہ وجودیہ کیلئے کافی ہے
اور طباع سے مراد عالم مادی تحویلی و تقدیری ہے جو مرتبہ عروض صفات قسم دوم ہے۔ اور اسی تخصص پر
ان صفات کا عارض ہونا موقوف ہے۔ اور ان صفات کو عوارض طبعیہ کہتے ہیں۔ اور یہ مسلم ہے
کہ عوارض ذاتیہ وجودیہ ممتنع الانفکاک ہیں۔ لوازم وجود ہرگز وجود و ذات شے سے جدا نہیں ہو سکتے
بلکہ ان لوازم کا انفکاک بعینہٖ ذات کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔ جیسے سواد سے سوادیت کا زوال
موجب زوال سواد ہے۔ اور اسی کو کمال اولی کہتے ہیں۔ اور جبتک شے کی ہیئت طبعیہ باقی رہتی ہے عوارض
طبعیہ بھی باقی رہتے ہیں۔ ہرگز اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔
اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شبہ کا جواب یہی دیا ہے کہ ہاں یہ درست
ہے۔ اے مفضل جو تمہارا خیال ہے۔ لیکن وہ قوت تصرف و ایجاد جسکے ذریعہ سے وہ الفاظ مخصوصہ
اور اشکال مخصوصہ ایجاد کرتا ہے عطیہ خداوندی اور موہبت الٰہی ہے جو اسکی سرشت میں خداوند عالم نے
مرکوز و مخزون فرمائی ہے۔ اور الفاظ مخصوصہ اور خطوط و نقوش و اشکال متنوعہ کا ایجاد کرنا اسی قوت و
قدرت کا اثر ہے اور پھر حضرتؑ نے طبعی ہونے کے جواب میں فرمایا ہے کہ اگر عالم طبعی مادی اور تقدیر
صورت میں زبان یا ہاتھ خاص اور ہاتھ بہیئت مخصوصہ طبعیہ انسان کیلئے مہیا نہ کیا جاتا تو ہرگز ممکن
نہ تھا کہ وہ تکلم کر سکتا یا کچھ لکھ سکے یعنی بدون اجتماع وسعت و زبان تکلم و تحریر ممکن نہیں بعد از اں

حضرتؑ بغرض توضیح بہائم کی مثال دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں کلام و کتابت نہیں اور یقیناً اس
کلام و کتابت سے مراد حضرتؑ کی وہی کلام و کتابت ہے جسکی شرح کر دی گئی ہے اور جو فصل ممیزہ انسان
ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ممکن ہے کہ بعض حیوانات مثل پرند و طوطے کے سکھانے
سے لکھنا اور کلام کرنا سیکھ جائیں لیکن چونکہ انکی خلقت میں قوت ایجادیہ نہیں ہے اور انکی ہیئت
طبعی میں دست و زبان بہیئت تامہ بوضع مخصوص کلام کرنے اور لکھنے کیلئے مہیا نہیں ہیں اسلئے اگر
ان کو کوئی لکھنا سکھا بھی دے تو وہ سوائے اسکے جو انکو سکھایا گیا ہے اور کچھ نہیں لکھ پڑھ سکینگے اور اپنے
مافی الضمیر کو بیان اور تحریر نہ کر سکینگے اور انکا یہ لکھنا اور کلام کرنا عرضی و خارجی ہوگا اور اسلئے ان کو ہرگز
متکلم و کاتب ان معنی میں نہیں کہہ سکتے۔ یہ کلام و کتابت انسان ہی سے مخصوص ہے پس قطع نظر از جمیع
فرمائشات امام علیہ السلام صرف فقرۂ اخیر (فاصل ذالک فطرۃ الباری) انسان عاقل متدین
کیلئے کافی ہے کہ حضرتؑ بکمال صراحۃ فرماتے ہیں کہ تکلم و کتابت انسان کیلئے فطری ہے یعنی اس کی
صفات ذاتیہ میں سے ہے اور ہیئت طبعیہ انسانیہ میں ان صفات کے اظہار کیواسطے تمام آلات مہیا
فرما دیئے ہیں اور یہ امر مسلم و محقق ہے بلکہ بدیہی و ضروری ہے کہ امور فطریہ مستحیل الانفکاک اور نیز لازمہ
ضروری الظہور ہیں اگر انسان کو اسکی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے اور کوئی امر خارجی اسکے ظہور و بروز سے
مانع نہ ہو اور یہ بھی مسلم ہے کہ جسم پاک نبویؐ روح مجسم ہے اور روح جسم مروح ہے پس اس عالم مادی طبعی میں
کوئی امر فطریات وجود و لوازم وجودیہ و عوارض ذاتیہ کو مانع و عائق نہیں ہو سکتا سوا اسکے کہ حکم امر خالق
و صانع خود انکو اظہار سے بالاختیار روک دے بنا بریں آنحضرتؐ سے علم قرأت و کتابت (جو فطریات
اولیہ اور لوازم وجودیہ و عوارض ذاتیہ سے ہے) کا ظاہر نہ ہونا محض بحکم الٰہی ہوگا کہ آپ بعدم اظہار
پر مامور تھے۔ ہرگز قبل بعثت فاقد قرأت و کتابت نہیں ہو سکتے۔ کتب محققین بے حوالہ کی ضرورت
نہیں خود حضرت بحر الحقائق جناب امام جعفر الصادقؑ تقریر شبہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ زبانہائے
مختلفہ اور خطوط متباینہ متعددہ کو انسانوں نے ایجاد کیا ہے اور اصطلاح قائم کر لی ہے جو ایجادیہ حسی
قوت بیانیہ انسانیہ کا اثر ہے جو من حیث الفطرت والخلقت والطبیعت انسان میں موجود
ہے اور امور فطریہ میں مومن و کافر سب برابر ہیں "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل
لخلق اللہ ذالک الدین القیم" ناممکن ہے کہ ان فطریات سے ذات پاک محمدی جو اول و جملات
و افضل و اکمل و اشرف مکونات ہے عاری ہو یا ذات اقدس صاحب ولایت مطلقہ ان فطریات
اولیہ میں ہمہ شما سے کسب اکتساب کی محتاج ہو۔ قطعاً محال و یقیناً مستحیل ہے اور حضرتؑ کیلئے

یہ امکان ممکن ہے کہ یہ ملکہ اکتسابا گر حاصل شدہ ہو تو قطعاً ناممکن ہے۔ غیر از عطائے الٰہی دوسری شق ممکن ہی نہیں۔

مزید توضیح۔ ہر وجود جس کو خدا نے ایجاد کیا ہے وہ کاشف مکنون غیب اور مظہر سر مکنون ہے یعنی نفس وجود ہر موجود ظاہر کرتا ہے کوئی چیز پوشیدہ تھی۔ جو اس وجود سے آشکار ہوئی اور اس وجود کو جس نے ایجاد کیا ہے اس کا کوئی مقصود تھا جس کو اس وجود کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے۔ اسلئے وجود کو کلمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ کلمہ وہ چیز ہے جسکے ذریعہ سے مافی الضمیر ظاہر کیا جاتا ہے اور اسلئے تمام عالم خدا کی کتاب وجودی ہے۔ "لقد لبثتم فی کتاب اللّٰہ الی یوم البعث" اور موجودات عالم اس کتاب الٰہی کے حروف وافعال واسماء ہیں۔ جو وجود اشرف وافضل ہیں وہ کلمات تامہ الٰہیہ۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو اطلاقاً کلمات اللہ کہا گیا ہے۔ "وکلمتہ القٰھا الی مریم" "وکلمۃ اللّٰہ ھی العلیا" وغیر ذالک۔ اس مضمون کو ہم البرہان بعنوان "النبی کلمۃ اللّٰہ" میں مفصل لکھ چکے ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ ہو اور وجود کی دو قسمیں ہیں۔ وجود قولی اور وجود فعلی پس ہر موجود موجودات عالم سے خداوند ذوالاکرام والاجلال مبدء ہر جمال وجلال کی کسی خصوصیت اور صفت جلالی یا جمالی پر دلالت کرتا ہے یا یوں کہئے کہ ہر ذرہ ذرات عالم سے خداوند ذوالجلال والاکرام کی کسی صفت جلالی یا جمالی کا مظہر ہے اور یہ دلالت۔ دلالت فطری وبوضع الٰہی ذاتی ہے اور جب یہ دلالت بوضع الٰہی ذاتی ہے تو بالقطع والیقین وبالبداہتہ والضرورۃ دائماً مستحیل الانفکاک ہے۔ ہرگز متبدل نہیں ہو سکتی اور اسلئے وضع عرضی وثانوی اور دلالت ثانویہ اس وضع اولی اور دلالت اولیہ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وضع اولی بالذات ہے اور وضع ثانی بالعرض اور ما بالعرض ما بالذات کو کبھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مثلاً عناصر مفردہ میں پانی بالطبع بارد ورطب ہے۔ پس اگر کوئی شخص اسکو آگ سے جوش دے تو وہ گرم ہو جائیگا۔ لیکن حرارت عرضیہ اسکو بالطبع حار نہیں بنا سکتی اور کوئی طبیب آب گرم کو حار بالطبع نہیں کہ سکتا۔ کیونکہ یہ حرارت بالعرض وقابل زوال ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ ما بالذات برودت اصلیہ کو بدل دے وہ برودت اصلیہ اس حرارت عرضیہ کے ساتھ مجتمع اور موجود ہے اور پانی باوجود اس حرارت کے بارد بالطبع ہے۔ یہی بات تمام ادویات مرکبہ ومفردہ میں پائی جاتی ہے کہ ایک دوا دوسری دوا سے مل کر اسکی ذاتی اور طبعی تاثیر کو بالکل تبدیل نہیں کر سکتی۔ لیکن جبتک یہ اوضاع ودلالات کسی شخص کے مرئی ومنظر میں نہ ہوں اور اسکے سامنے وضع نہ کی گئی ہوں یا خود صانع وخالق اوضاع ودلالات کو کسی کو نہ دکھلادے۔ کوئی شخص ان اوضاع ودلالات کو نہیں جان سکتا اور آیہ کریمہ۔ ما اشہدتھم

خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم" (میں نے شیاطین کو نہیں حاضر کیا وقت پیدا کرنے زمین اور آسمان کے اور نہ خود انکے نفسوں کے پیدا کرنے کے وقت) سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ وجود ایسے بھی ہیں جن کی موجودگی میں تمام اشیاء خلق کی گئی ہیں۔ و آیۂ مبارکہ "وکذالک نُری ابراھیم ملکوت السموات والارض" سے ثابت ہے کہ ایسے اشخاص بھی ہیں جن کو خداوند عالم نے حقائق و بواطن آسمان و زمین دکھلائی ہیں اور آیہ وافی ہدایۃ "الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً" (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تمام موجودات ارضی و سماوی طوعاً وکرھاً خدا کیلئے سجدہ کرتی ہیں) سے دلالت اولیہ اصلیہ اور دلالات ثانویہ عرضیہ کے اجتماع کی طرف اشارہ ہے! اور یہ شبہ کہ دلالات وضعیہ الٰہیہ اکثر مخلوقات میں کیوں ظاہر نہیں ہوتیں۔ خود مثال مذکورہ سے مرتفع ہے اور جواب ظاہر ہے یعنی یہ کہ دلالات عرضیہ ثانویہ انکے ظہور و بروز کو مانع ہیں اور آیہ مجیدہ "لا تبدیل لخلق اللہ" و آیہ کریمہ "فلیغیرن خلق اللہ" معارض نہیں ہیں کیونکہ تبدیل اور چیز ہے اور تغییر اور شے۔ تبدیل ذاتیات سے متعلق ہے اور تغییر عرضیات سے پس تبدیل خلقت اصلیہ اور چیز ہے اور تغییر حالت خلقت اور شے ہے "وبینھما بون بعید"۔ اور حدیث شریف نبوی "کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یھودانہ او یمجسانہ او ینصرانہ" بھی اس شبہ کو صاف رفع کرتی ہے اور جواب صاف ہے۔ کہ حالت فطریہ کو عوارض خارجیہ تقلیدیہ نے متغیر کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ خلقت کو تبدیل کر دیا ہے۔ عوارض کے زائل ہوتے ہی ہر شے فطرۃ اولیہ کی طرف عود کر آتی ہے جس طرح کہ آب گرم آتش کے برطرف ہونے سے سرد ہو جاتا ہے اور اپنی اصل حالت کی طرف عود کر آتا ہے۔

ناظرین کیا اس تصریح خداوندی اور مخبر صادق عالم و عارف و صناع الٰہیہ و دلالات فطریہ اشیاء کی اس تنصیص کے بعد بھی کہ تکلم و کتابت انسان کیلئے فطری ہے اور یہی اسکی فصل ممیز ہے کسی عاقل متدین کو شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ کہ تکلم و کتابت کمالات ممکنہ بشریہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور جب بنص امام یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں ایسے بھی انسان ہیں۔ جنہوں نے بلا تعلم و اکتساب بانیں اور خطوط ایجاد کئے ہیں۔ تو کون تصدیق کر سکتا ہے کہ پیغمبر خاتم النبیین کی قوت بیانیہ یعنی قوت قدرت و تاثیر نفس دوسری افراد انسانی کی قوت بیانیہ ایجادیہ سے کم تھی اور نفس رسول۔ صاحب ولایت مطلقہ استاد جبرئیل۔ خزانہ علم الٰہی مظہر اول و اکمل ذات جامع الکمالات ان کمالات کے حاصل کرنے میں دوسروں کی تعلیم کا محتاج تھا۔ ان ھذا الا اختلاق:۔۔۔

تنبیہ فیہ تبصیر نفس انسانیہ اشرف و افضل و اکمل موجودات ممکنہ ہے کہ خداوند عالم اسکی خلقت کے بیان میں اپنی ذات کی تمجید میں فرماتا ہے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" اور اُسکے درجات کمال و حسن خلقت آیہ کریمہ۔ ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" سے ظاہر و آشکارا ہے اور اُسکی صورت تمام صورتوں سے بہتر ہے جس پر قول خداوند عالم "صورکم فاحسن صورکم" بالصراحۃ دال ہے اور چونکہ خلقت نفسانیہ انسانیہ بلامدت و مادہ ہے اسلئے اُسکے لئے تعلیم الٰہی بھی بلاواسطہ ہے جس پر آیہ شریفہ "خلق الانسان علمہ البیان" شاہد ہے اور وہ ہر مرتبہ۔ ہر نشاء ہر منزل اور ہر مرحلہ میں صاحب کمال ہے جو آیہ وافی ہدایہ۔ الذی خلقک فسواک فعدلک سے ثابت ہے کہ انسان حد اعتدال میں خلق کیا گیا ہے اور حد اعتدال عین کمال ہے اگر سالک اسی طریق اعتدال فطری ذاتی پر چلتا رہے اور اپنی حالت خلقی و فطری میں تغیر پیدا نہ کرے تو ہمیشہ بتعلیم الٰہی معلّم رہیگا۔ "واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ" تقوے اختیار کرو خدا تم کو تعلیم دیتا رہیگا" فرمان الٰہی ہے اور حکماء کا مقولہ ہے "کہ نفس انسانیہ خود کمال اولی ہے" خلاف حق و بلادلیل و بلامدرک نہیں۔ استعداد ایک امر عدمی ہے اور ملکہ امر وجودی اسلئے کسی شخص میں ایک شئے کی استعداد ہونا قابل مدح و ثناء نہیں۔ چنانچہ خدا ان انسانوں کو جن میں یقیناً حصول کمالات کی استعداد تو ہے۔ مگر انہوں نے ملکات حاصل نہیں کئے ہیں انسانیت سے خارج بیان فرماتا ہے۔ "ان ھم الا کالانعام اولئک کالانعام بل ھم اضل" نہیں ہیں وہ مگر مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے بھی بدتر نتیجہ یہ ہے کہ مدح و ثنا کمال ثانوی سے متعلق ہوتی ہے جو مقام ملکہ ہے نہ کمال اولی سے اور یہ مرتبہ بدون اکتساب و تعلم حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ انسان کی حالت فطری و خلقی میں تغیر واقع نہ ہو پس کونسی شے ہے جو ان ملکات کو جو بالفطرۃ نفس انسانیہ کو حاصل ہوسکتے ہیں وجود اقدس نبوی و نفس رسول سے خارج کرے اور وہ ایک زمانہ تک ان ملکات سے عاری و خالی رہے اور وہ محتاج تعلیم غیر رہے۔ اکمال الدین و اتمام النعمۃ کے آخری حصص کو ملاحظہ فرمایئے جس میں حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ کے اصحاب اہل ایمان کے حالات درج ہیں کہ بلاتعلیم و اکتساب ہر زبان کے عالم و کاتب ہوجائینگے۔ بلکہ دیگر تمام کتب غیبت اس پر شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہوں سوانح آنحضرت عجل اللہ فرجہ۔ پس کون عاقل بصیر سلیم الطبع صحیح الفہم کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرات معصومین علیہم السلام میں یہ ملکات اکتسابی ہیں اور حضرت شاہ ولایت انکی تحصیل میں محتاج تعلیم غیر۔ "ان ھم الا یظنون۔ وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ وان بعض الظن اثم" قوا انفسکم واھلیکم ناراً"

اب ناظرین خود غور فرمائیں کہ حضرت ختمی مرتبت میں اس کتابت کا کیونکر ملکہ نہ تھا جو بتصریح کلام الٰہی

دبعض امام علیہ السلام انسان کیلئے نظری ہے اور اسکی فضل ممیز اور کیونکر حضرتؐ چالیس سال تک اس کے جاہل رہے۔ کیا معاذ اللہ حضرتؐ کے نفس قدسی کی قوت تصرف و تاثیر ان عام لوگوں کی قوت سے بھی کم تھی جنہوں نے اشکال مختلفہ اور صور متعددہ میں کتابت ایجاد کی۔ کیا (العیاذ باللہ) آنحضرتؐ میں چالیس سال تک اتنا بھی تقویٰ نہ تھا جو تعلیم الٰہی کے قابل ہوتے؟ کیا آنحضرتؐ کی حالت خلقی وفطری میں تغیر واقع ہو گیا جو عدم حصول ملکات فطریہ کا باعث ہوا اور کتابت جیسے نقص ایمانی تک سرایت کر گیا۔ بلکہ فقدان ایمان تک جس کو جناب ممتاز الافاضل آیہ ما کنت تدری الخ سے استدلال فرماتے ہوئے ثابت کرتے ہیں۔ کیا کسی شخص کو اب بھی شبہ ہے کہ قرأت وکتابت کمالات بشری میں سے ہے اور حدود بشری میں داخل اور جناب ممتاز الافاضل وعمدۃ الافاضل وفاضلین اسکو تسلیم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "سچ ہے تمام انبیاء کمالات ظاہری وباطنی سے مکمل ہوتے ہیں"۔ "اور ہم انبیاءؑ اور انکے اوصیاء کو بشری حدود میں جو کمالات ممکن ہیں انکے اعتبار سے کامل بلکہ اکمل سمجھتے ہیں"۔ پھر نہ معلوم یہ کمالات کیوں تمام کمالات حدود بشری سے خارج ہو گئے اور باوجود جامع ہونے جمیع کمالات کے حضرت ختمی مرتبت چالیس سال تک ان کمالات انسانی سے محروم اور انکے فاقد رہے۔ حالانکہ اگر ایک جاہل سے بھی دریافت کیا جائے تو لکھنے پڑھنے کو کمال انسانی کہیگا۔ بلکہ مشہور ومعروف ہے کہ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اسی کو جاہل بلکہ وحشی کہتے ہیں اور اس کمال کا نہ ہونا موجب ذم وقدح ہے۔ کیا آنحضرتؐ ہی اسی تذلیل و تنقیص اور توہین کیلئے مختص کئے گئے تھے بخلاف جملہ عقلائے روزگار خلاف فرمانشاہ حضرت خاتم النبیینؐ والاطہار انہی کیواسطے جہالت موجب فخر ومباہات تھی۔ ان ھذا الا اختلاق۔ نعوذ باللہ من ذالک ونسئلہ ان یشرح صدورنا ویذہب الشک والزیغ عن قلوبنا۔

باب دوم

فصل

اقوال متفرقہ

ان مباحث علمیہ تحقیقیہ کے ملاحظہ کے بعد کسی صاحب عقل وفہم کو شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ کسب واکتساب

علوم بطریق مروج و مرسوم جو محل بحث ہے انبیاؑ اور اوصیاؑ کی شان کے شایاں نہیں اور علم قرات و کتابت وہ مہتم بالشان علم ہے جو انسان کو بالفطرۃ سب سے پہلے عطا کیا گیا اور کریم مطلق نے اپنی نعمت کاملہ کا اظہار لفظ اکرم استعمال کر کے فرمایا کہ نوع انسان کے ضروریات شخصی و نوعی کے لحاظ سے یہی علم بے انتہا منافع و فوائد کا مبدء ہے اور ضروریات انسانی میں سب سے پہلے اسکی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور قطعاً ناممکن ہے۔ کہ صاحب تاج ولایت و نبوت مطلقہ و مظہر ثانی ولی برحق جل وعلا اس علم کا فاقد ہو اور ملکہ قرأت و کتابت نہ رکھتا ہو۔ لیکن جن لوگوں کو اظہار حق یا اتباع حق سے کوئی غرض نہیں اور مقصود صرف لیاقت جتانا یا اپنی لاج رکھنا ہے وہ کب اسکو تسلیم کر سکتے ہیں اور زبان پر کلمہ حق لا سکتے ہیں اگرچہ انکے دل اسکے خلاف بمصر گرۂ شہادت نہ دیتے ہوں لیکن انکو تو اسکی تائید کرنی ہے جو کہ نوک قلم سے نکل گیا ہے اس میں خواہ شان پاک نبویؐ میں گستاخی کرنی پڑے یا حضرت شاہ ولایتؑ کی توہین و تذلیل ہو۔ (معاذ اللہ) وہ اسکی غلطی کو کب تسلیم کر سکتے ہیں یا بعد تسلیم اظہار کر سکتے ہیں جبکہ وہ من جانب اللہ و منصوص من اللہ قبلہ انام و کعبۃ الاسلام لکھ چکے ہیں اور وہ بفضلہ زندہ و بقید حیات ہیں اور حضرات ائمہ معصومینؑ بظاہر اموات میں داخل۔ آخر آنکھوں کی بھی تو کچھ لاج ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہزاروں تعلقات دنیویہ انہی قبلۃ الانام سے وابستہ ہیں نہ کہ ائمہ علیہم السلام سے یہی وجہ اس بحث کے طول کھینچنے کی ہے ورنہ اس میں اس قدر طوالت کی ضرورت نہ تھی چند کلمات میں اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا۔

غرض۔ قبلہ و کعبہ کے نوک قلم پر آئے ہوئے کی تائید کے غرض کو آخر درجہ تکمیل تک پہنچانے اور اپنی کئے اور کہے کی لاج رکھنے کی غرض سے اور صحیح و محقق و مبرہن مضامین پر اپنے زعم میں اعتراضات شروع کئے گئے اور ۱۵ رجولائی ۱۹۰۹ء سے جناب ممتاز الافاضل کی طرف سے بعنوان "الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظہا" سلسلہ مضامین اخبار اثنا عشری میں شروع کیا گیا لیکن نام ظاہر نہیں کیا گیا البتہ جاننے والے جانتے تھے اور محض عبارات بدلکر اور نیز غلط مباحث کر کے انہی باتوں کو مکرر و سہ کرر دُہرایا گیا جن کو الزاماً و تحقیقاً متعدد و عنادین میں باطل ثابت کیا جا چکا تھا اور تمام اہل انصاف انکی حقیقت کو سمجھ چکے تھے۔ ان مضامین کے سلسلہ میں جناب ممتاز الافاضل موصوف نے اپنی "بے پرا تند" کی دُھن میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھ ماریں جو انکی ممتاز فضیلت پر نہایت بدنما داغ ہیں اور جن کی بابت یہ کہا سکتا ہے کہ جب ممتاز الافاضل صاحب کا یہ حال ہے تو وہاں فاضلین کس پائے کے ہونگے اور انکی تحقیقات معارف و حقائق اسلامیہ میں کہاں تک پہنچی ہوئی ہونگی۔ اور ان ہی کے اشاعت کے بعد سخت منظا ہر کیا گیا اور درپامت کیا گیا کہ ان مضمون نگار کا نام ظاہر کیا جائے کہ آیا ثالث عشر کون ہیں تو دوسرے نمبر میں فوراً

مضمون کے نیچے سید صغیر حسن باسٹوی لکھ دیا گیا اور یہ وہ صغیر حسن ہیں جنکے نام سے ایک مہمل رسالہ بنام اظہار حق شائع کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان مضامین میں کوئی ایسی نئی دلیل مذکور نہیں ہوئی جس کی رد اور ابطال کیلئے خاص مقدمات یا مزید تحقیقات کی ضرورت ہو اور نہ ایسی کوئی جدید بات ہے جو من حیث البحث، قابل ذکر و نقل ہو لیکن اس ضمن میں کچھ ایسی کمیاں ظاہر ہوئی ہیں جن سے انکی علمی اور اعتقادی قابلیت ولیاقت پر کافی روشنی پڑتی ہے اسلئے ان تمام مباحث کا بلفظہ لکھنا طوالت کتاب اور ملالت ناظرین وقارئین کا موجب ہوگا۔ صرف ان امور کی طرف مختصراً اشارہ ہے۔

اولاً مقدمات عقلیہ پر ایرادات کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے "عقل مستفاد کا مرتبہ سوائے نبیؐ اور امامؑ کے کسی کو ممکن نہیں" ہم مقدمات عقلیہ میں ثابت اور ظاہر کر چکے ہیں کہ مرتبۂ عقل مستفاد مراتب نفوس عالیشان سے ہے اور اکثر لوگ غیر امام و نبی اس پر فائز ہوئے ہیں اور مدعی ہیں کہ حکماء میں بعض حکماء مشائین اور اکثر حکماء اشراقین عقل مستفاد کا درجہ رکھتے تھے۔ ہمارے علماء کرام رضوان اللہ علیہم میں بحمد اللہ اکثر اس درجۂ عقل بالمستفاد پر فائز ہوئے۔ کہ انکو یہ مرتبہ حاصل تھا کہ ایک طرف کی توجہ دوسری طرف متوجہ ہونے سے مانع نہ ہوتی تھی اور انکو تمام نظریات و معلومات حاضر تھیں۔ اصحاب آنحضرتؐ و ائمہؑ میں سے بفضلہ تعالیٰ بہت سے بزرگوار یہی درجہ رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہوں حالات جناب سلمان فارسیؓ جنکو سلمانؓ منا اہل البیت کا خطاب عطا ہوا ہے اور جابر بن یزید جعفی وغیرہما اور اصحاب حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ اسی مرتبہ پر فائز ہونگے اور بحمد اللہ مت کے سب درجۂ عقل مستفاد رکھتے ہونگے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل بالمستفاد کے بھی حسب اختلاف نفوس بہت سے درجے ہیں اور اسکے آخری مرتبے میں کوئی فائز نہیں ہو سکتا کہ تمام نظریات ممکنہ حاضر ہو جائیں۔ لیکن یقین ہے کہ بعض اصحاب پیغمبرؐ و امامؑ ضرور اس درجے پر فائز ہوئے اور ہونگے اگرچہ حکماء نہ ہوئے ہوں۔ شاید انکار کی یہ وجہ ہے کہ شیخ الرئیس ابو علی سینا نے یہ لکھ دیا "یمتنع او یستبعد" یعنی یہ درجہ عام انسانوں کیلئے وارد دنیا میں ناممکن ہے یا بعید۔ لیکن ایک اکیلے ابو علی کا قول سند نہیں ہو سکتا جبکہ دوسرے حکماء اسکے خلاف ہیں اور اگر انکار کی یہ وجہ ہے کہ خود مضمون نگار صاحب کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ یا انہوں نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔ تو یہ دلیل عدم نہیں "عدم الوجدان لیس بدلیل العدم" مسلمات سے ہے اور ہماری طرف مقابل بھی اسکو بار بار دہرا رہے ہیں۔ بہر حال کتب تواریخ و سیر حادیث ایسے مضامین سے پر ہیں اور ثابت ہے کہ علماء عارفین و مرتاضین صاحبان قوۂ قدسیہ جو فی الحقیقت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیلؑ کا مصداق تھے یا ہیں سب عقل بالمستفاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ مختلف درجات رکھتے ہوں) علاوہ ازیں حکماء کی تصریح ہے کہ یہ درجات چہارگانہ عقل مراتب نفوس ناطقیہ

انسانیہ ہیں اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نبوت و امامت فوق درجۂ بشریت ہے۔ اور انکے نفوس نفوس نورانیہ ہوتے ہیں اور ان میں وہ باتیں جو دوسرے نفوس میں بالقوۃ ہوتی ہیں۔ بالفعل موجود ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنی استعدادات۔ قابلیات اطوار و اخلاق و آداب میں ان نفوس سے حقیقۃً مبائن ہوتے ہیں۔ اور اسلئے یہ بالکل غلط ہے کہ عقل بالمستفاد کا مرتبہ سوائے نبی اور امام کے کسی کو ممکن نہیں۔ انکی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور انکے غلام یہ درجہ رکھتے ہیں۔

دوم۔ پھر آپ فرماتے ہیں۔ "لیکن حکماء میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس مرتبہ کا وجود دار دنیا میں ان لوگوں کے واسطے تسلیم کر لیا ہے۔ جبکہ نفس اپنی قوت کی جہت سے مادی تاریکیوں سے نکل کر عالم حیات ہی میں عالم نور تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جسمانی ہو کر بھی مجردات میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور انکو ایک جانب متوجہ ہونا دوسری جانب متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہوتا جس طرح حضرت ولایت مآب نے سائل کو انگوٹھی بھی دی اور رجوع قلب بھی اس وجہ پر رہا کہ مستحق ثنائے باری ہوئے" اہل بصیرت سمجھ گئے ہونگے اس عبارت عجیب و غریب میں اسی فقرہ کی توضیح و تشریح کی گئی ہے کہ یہ مرتبہ عقل مستفاد سوائے نبی اور امام کے کسی کو دنیا میں ممکن نہیں ہاں بعض حکماء کے نزدیک (نہ جناب ممتاز الافاضل کے نزدیک) بعض لوگوں کو یہ مرتبہ دار دنیا میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی قوت کی جہت سے (نہ فطرۃً و موہبت الٰہیہ سے) مادی تاریکیوں سے نکل کر عالم نور تک پہنچ گئے ہیں اور جسمانی ہو کر مجردات میں داخل ہو گئے ہیں۔ جیسے جناب ولایت مآب امیر المومنین علیہ السلام۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اعاذنا اللہ" یہ وہ عبارت ہے جس سے ایک مومن متدین کا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اور جس نے ہمارے علماء سابقین اور لاحقین کی ان تمام کوششوں کو خاک میں ملا دیا ہے جو انہوں نے مخالفین اہلبیت اور منکرین فضائل خاصہ خاندان نبوت اور شان ولایت و امامت و وصایت کے جواب اور انکے مزعومات کے ابطال کیلئے کی تھیں۔ بلکہ اس عبارت نے بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ و علویہ وغیرہما کو باطل و رد کر دیا ہے جن میں بکمال صراحت و بکمال تصریح مرقوم ہے کہ ائمہؑ خاص نورانی بندے ہیں (دیکھو مقدمات کتاب بیان امامت مطلقہ و نورانیت ائمہ علیہم السلام) اور انکے مادے کو اس مادۂ تاریک جسمانی سے کچھ تعلق نہیں۔ انکی طینت نورانیہ اور ہی ہے۔ جو ہماری ارواح سے بھی کہیں لطیف و نورانی ہے۔ مبارک ہو۔ ...... کیونکہ خود مدعیان شیعیت و اتباع اہلبیت میں ایسے اصحاب پیدا پیدا ہوئے جو اس طرح امامت کو خود باطل قرار دیتے ہیں۔ بلا خوف تردید دعوے سے کہہ سکتا ہوں آجتک ہمارے کسی مسلم عالم نے یہ نہیں لکھا کہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) جناب امیر علیہ السلام یا دیگر ائمہ

مادۂ کثیفۂ ظلمانی رکھتے تھے اور یہ کہ صرف اپنے نفس کے قوت سے باوجود جسمانی ہونیکے عالم انوار تک پہنچ
گئے تھے اور مجردات میں داخل ہو گئے تھے سب اسکے قائل ہیں کہ یہ نورانی بنے ہیں اور مراتب نورانیت
انکو ابتدائے موہبتہً عطا ہوئے ہیں نہ یہ کہ ایک مدت وہ جہالت و تاریکی میں تھے اور بعد ازاں ترقی
کرتے کرتے عالم انوار تک پہنچ گئے۔ یہ قول در اصل مبطل خلافت وولایت وامامت الٰہیہ ہے۔ اور
اہل انکار امامت وولایت اور قائل معارف امامت وولایت سے بمنازل ودور اور انکے مراتب سے
قطعاً غافل ہے۔ علاوہ اسکے کہ آیات واحادیث کثیرہ اس قول مہمل کی رد کرتی ہیں اصول مسلمہ حکماء
کے بھی قطعاً خلاف ہے۔ جبکہ حکیم تو کیا میں کہتا ہوں کوئی سفیہ بھی اس کا قائل نہیں سوا مسلمات عقلائی
بلکہ بدیہیات اولیہ سے ہے۔ کہ مجرد ومادی دو جدا جدا چیزیں اور ضدیں ہیں کبھی نہیں ہو سکتا کہ مجرد و مادی
جمع ہو جائیں اور انقلاب ماہیت بالبداہتہ باطل ومحال ہے اور اسلئے ناممکن ہے۔ کہ کوئی مجرد مادی
سے منقلب ہو جائے۔ یا مادی مجرد بن جائے اس سے فاضل موصوف کے کلام کی معلوم ہو سکتی
ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اور وہ جسمانی ہو کر بھی مجردات میں داخل ہو گئے ہیں لا کیونکہ اگر مراد اس سے یہ ہے
کہ باوجود جسمانیت باقی رہنے کے مجرد ہو گئے تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔ بلکہ اجتماع نقیضین کیونکہ تجرد
ومادیت یقیناً متناقضین ہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ جسمانیت سے منقلب ہو کر مجرد بن گئے ہیں تو انقلاب
ماہیت لازم آتا ہے اور وہ بھی محال ہے۔ بنا بریں یہ قول ہر اعتبار سے لغو ومہمل وباطل محض ہے۔ عاقل تو
کیا جاہل بھی اسکو زبان پر نہیں لاسکتا اسی قابلیت علمی اور فلسفہ دانی اور معرفت حقائق اشیاء ومعرفت
امامت وولایت ونبوت پر یہ دعوے کہ کلام ما نہمیدن مشکل است نہ کہ بما اعتراض کردن ہاں اگر بوجہ لغویت
اور اہمال کلام یہ فرمایا ہے تو بجا و درست ہے اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے مہمل ولغو کلام کو کوئی عقلمند نہیں
سمجھ سکتا اور مطلب مفید استفادہ نہیں کر سکتا پس ناظرین کو مقدمات کتاب کی طرف توجہ دلاتے ہوئے
پھر عرض کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کی شان اس سے کہیں ارفع واعلےٰ ہے کہ وہ ایک مدت تک مادی تاریکیوں
میں مبتلا رہیں۔ اُن کی نورانیت ابتدائے ثابت ہے اور ہمیشہ باقی اور اونکی اجسام نورانیہ کا سایہ نہ ہونا اسکی
دلیل حسی۔ وہ جسمانی ہو کر اپنے نفس کی قوت سے عالم انوار تک نہیں پہنچے۔ بلکہ عالم انوار انکے نور انور کا پرتو
ہے اور ہماری ارواح اونکے بحار انوار سے ایک رشحہ اور ہماری عقل اونکے آفتاب نور کی ایک ادنیٰ شعاع
بلکہ اجسام نورانیہ انہی کے فطرتی نور سے مخلوق ہیں۔ نور علی نور محمدی ہے اور نور محمدی نور الٰہی اور دیگر
انوار ظل نور محمدی۔ ساحت قدس نبوت وامامت مادہ جسمانیہ کثیفہ کی آلائش سے ہرگز آلودہ نہیں۔ ہاں
یہ درجہ کہ باوجود جسمانی ہونیکے عالم انوار تک پہنچ گئے ہیں (نہ کہ جسمانی ہو کر مجرد بن گئے ہیں) اُن اصحاب

ائمہ علیہ السلام کا مرتبہ ہے جو ساحتِ قدس امامت سے ارتباط باطنی رکھتے ہیں اور بحارِ علوم امامت سے ایک رشحہ پایا ہے اور انوار امامت کے شعاعوں سے نورِ قدس اقتباس کیا ہے اور صاحب قوت قدسیہ ہیں اور انہی کیلئے "العلماء ورثۃ الانبیاء" اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مبارک لقب منزاوار و شایاں ہے۔ وذالک الدین القیم" تاریکی مادہ کو قوائے طبعیہ حیوانیہ مراد لئیا اور انکو اسی تو اسے خالی نہ جاننا عند دکیک ہے۔ کیونکہ لکھ چکے ہیں کہ ان کی حیوانیت تحت نورانیت ہے اور اسکے آثار و احکام مستقلاً باطل اور یہ تاریکی ان میں مفقود ہے۔ وہ نور مجسم۔ روح مجسّد اور جسم مروّح ہیں ؛۔

سوم۔ فرماتے ہیں رسالت مآب اور ولایت مآب کو بشریت سے خارج کرنا ناممکن ہے الخ ہم ہرگز حضرت معصومینؑ یا دیگر انبیاء کرامؑ کو بشریت سے خارج نہیں کرتے لیکن ہم بڑے زور کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ فضائل و کمالات حضرت رسالتؐ مآب وولایت مآب کو حدود بشری میں محدود کرنا ناممکن ہے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ جامع ہیں جمیع کمالات بشری کو مع شئی زائد اور نبوت و امامت فوق بشریت ہے جو کمالات مطلق نبوت کو بھی حدود بشری میں محدود کرتا ہے وہ انسان و فرس میں تمیز نہیں کرتا اور اسکے نزدیک انسان اور دیگر حیوانات بالکل مساوی ہیں۔ کمالات نبوت کو حدود بشری میں محدود کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کو گھوڑا یا گدھا کہدینا اور کمالات انسانی کو حدود کمالات فرسیت اور حماریت میں محدود کرنا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ آیات سے ثابت ہے احادیث دال ہیں اور علماء محققین نے اسکی توضیح و تصریح فرمادی ہے۔ کہ یہ حضراتؑ صورت ظاہری بشری میں عام نوع بشر سے مماثلت و مشابہت رکھتے ہیں ورنہ حقیقۃً و باطناً انکے بالکل مبائن ہیں اور یہ مماثلت و مشابہتِ صورتِ بشری صرف اسلئے ہے۔ کہ وہ نوع بشر میں مبعوث ہوئے ہیں تاکہ نوع بشر اُن سے مانوس ہو اور غیر جنس اور غیر صورت دیکھکر نفرت نہ کرے۔ ورنہ عامۂ نوع بشر کے کمالات سے کمالات نبوتی بدرجہا افضل و اکمل و اعلےٰ ہیں اور ان میں کوئی نسبت ہی نہیں جو شخص کلام خدا اور قول پیغمبر و امام پر اعتقاد رکھتا ہے۔ ہرگز اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہاں جو ظاہر یا باطناً اس اعتقاد کا مخالف ہے اس کا علاج نہیں نہ اُس سے ہمارا خطاب ہے اور ما انتم الا بشر مثلنا ورحل منکر نبوت کا قول ہے جو انبیاءؑ کو بالکل آپ ہی جیسا بشر سمجھکر از روئے تمرّد و بغاوت انکی اطاعت سے انکار کرتے تھے (رجوع ہو حقیقت نبوت و امامت کی طرف) ؛

چہارم۔ ۱۵ اگست ۱۹۰۹ء کے اثنا عشری میں جناب ممتاز الافاضل صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مراد کمال سے کمال اولی نہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر انسان میں ہوتا ہے۔ بلکہ کمال ثانی مراد ہے۔ جس میں تمام صفات ممکنہ کا حصول

بالفعل موجود ہوتی ہیں"۔ الحمد للہ۔ اس اقرار سے تمام مباحثہ فیصل ہو جاتا ہے اور جناب ناصر الملۃ والدین کی رد۔ کیونکہ فاضلین لکھ چکے ہیں کہ وہ انبیاء اور انکے اوصیاء کو قبل بعثت بلکہ ابتدائے خلقت سے جملہ کمالات میں کامل و اکمل جانتے ہیں اور کمال سے مراد کمال ثانی ہے جو مرتبہ کمال صفاتی ہے اور جس میں تمام صفات بالفعل موجود ہوتی ہیں جس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ تمام صفات کمالیہ ان میں ابتداء سے بالفعل موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کو ہرگز تعلیم و اکتساب من الغیر کی ضرورت نہیں بلکہ اکتساب تو قطعاً باطل اور تحصیل حاصل ہے۔ جب انکو اگر تمام صفات کمالیہ نبوتیہ نہیں تو تمام صفات ممکنہ انسانیہ تو ضرور ان میں ابتدائے خلقت سے بالفعل موجود ہوتی ہیں۔ پھر انکو اکتساب کی کیا ضرورت ہے اور اکتساب و تعلیم عن الغیر قطعاً باطل ہے۔ اور اسلئے یہ بالکل غلط ٹھیرا کہ حضرت علیؑ نے ملکہ قرأت و کتابت جو بتصریح ائمہ علیہم السلام و بنص الٰہی کمالات انسانیہ میں داخل بلکہ لوازم وجودیہ و عوارض ذاتیہ سے ہے۔ کسی غیر سے اکتساب کیا تھا جس کا نام جناب ناصر الملۃ والدین دام ظلہ کو معلوم نہیں۔ اور یہ کہ جناب ختمی مرتبت در رسالت مآب چالیس سال تک اس ملکہ کے فاقد تھے۔ اور اس علم سے جاہل اور اس کمال سے عاری رہے کہ ان میں تمام کمالات ممکنہ انسانیہ ابتدا ہی سے موجود تھے اور وہ ہرگز اکتساب و تعلیم عن الغیر کے محتاج نہ تھے۔ یہی حق و صدق ہے اور یہی اعتقاد صحیح۔ اور اسکے تسلیم کرنیکے بعد تمام مباحث فضول ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حق کو حق سمجھ کر نہیں لکھا اور نہ دیدہ و دانستہ ایسا کیا ہے بلکہ بفحوائے حق بر زبان جاری الا غفلۃً زبان سے نکل گیا اور نوک قلم پر آ گیا۔ اسلئے وہ اس پر کب اکتفا کر سکتے ہیں۔ کاشکے آپ اس نوک قلم پر آئے ہوئے کی بھی ویسی تائید کریں اور لکھے اور کہے کی لاج رکھیں جسطرح باوجود اعتقاد نہ رکھنے کے جناب قبلہ و کعبہ کے نوک قلم سے نکلے ہوئے کی تائید میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

پنجم عجیب و غریب استدلال۔ "چند استدلال اثنا عشری یکم ستمبر ۱۹۰۹ء۔ قرأت انکے صفات کمال ہیں سے کیوں شمار ہوئی اور کیوں انکے لئے لازم قرار دی جائے جبکہ انکے لئے اعلیٰ ذرائع موجود ہیں جنکے آگے قرأت ہیچ ہے۔ یونہی کتابت سے بہتر طریقے حفظ و اعلام کے آپ کے پاس موجود تھے اسلئے اگر کتابت بعد بعثت بھی فرض کی جائے تو نبی کی نبوت میں اس سے خلل نہیں آ سکتا۔"

اقول۔ یہ تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرأت و کتابت لازم وجود انسانی ہے اور وہ اسکے عوارض ذاتیہ سے اور ایسی ضروری چیز ہے جو سب سے پہلے انسان کو خدا نے تعلیم دی۔ ورنہ کہئے کہ خدا نے غلطی کی اور امام نے معاذ اللہ جھوٹ فرمایا جبکہ کتابت کو ایسا عظیم النافع اور ضروری قرار دیا اور اسکو عظیم موہبت الٰہی فرمایا باقی رہے دوسرے ذرائع حفظ و اعلام کا موجود ہونا اور اسوجہ سے قرأت و کتابت کو غیر ضروری قرار دینا یہیں

بہیں انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ دوسرے ذرائع حفظ و اعلام دوسرے لوگوں میں بھی موجود اور انکے لئے بھی مہیا ہیں اور مشاہد و محسوس ہے کہ جو لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں۔ اُنکے کاروبار خط و کتابت وغیرہ برابر چلتے رہتے ہیں۔ کوئی کام بھی نہیں رُکتا۔ بلکہ نابینا لوگ جو نہ کوئی دیکھکر سواد پڑھ سکتے ہیں اور نہ خود لکھ سکتے ہیں وہ اپنے امور انجام دیتے رہے ہیں نہیں بلکہ امورات نوع بشر کو بھی انجام دیتے ہیں اور آجکل تو اندھے قرأت و کتابت سے جاہل و عاری وہ کام کر رہے ہیں جو عالم کرتے ہیں۔ امتحانات پاس کرتے ہیں۔ ڈگریاں لیتے ہیں معلم بنتے ہیں۔ وکالت کرتے ہیں۔ پھر اس میں انبیاءؑ کی کیا خصوصیت ہوئی کہ چونکہ اُنکے لئے دیگر ذرائع حفظ و اعلام موجود ہیں اسلئے انکو قرأت و کتابت کی ضرورت نہیں اور اس سے انکی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیا اس وجہ سے کوئی کہ سکتا ہے کہ علم قرأت و کتابت فضول ہے۔ یا باعث فضیلت نہیں ہے کیا ایسے لوگوں کو کوئی فخر ہے جو باوجود لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے اپنے کام دوسرے ذرائع سے انجام دیتے ہیں اگر ایسا ہے۔ تو ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون کی تکذیب فرمایئے۔ جناب من جو کمال ہے وہ ہمیشہ کمال ہے کبھی نقص نہیں کہلا سکتا اور جو حسن ہے وہ ہمیشہ حسن ہے کبھی قبیح نہیں ہو سکتا اور پھر بغرض محال اور بنا بر مسلمہ جناب ممتاز الافاضل ملکہ قرأت و کتابت صفات لازمہ نبوت سے ہے نہ انسانیت سے اور نہ کمال میں داخل اور نہ تبلیغ اس پر موقوف اور نہ اسکے نہ ہونے سے نبوت میں خلل آتا ہے اور اسلئے اُسکے ہونے سے نبی کیلئے کوئی فائدہ نہیں تو جناب ناصر الملۃ والدین دام ظلہ سے دریافت کرنا چاہیئے کہ وہ کن دلائل کی بنا پر بعد بعثت پیغمبرؐ کیلئے قطعی الحصول سمجھتے ہیں خصوصاً جبکہ جناب ممتاز الافاضل صاحب فرماتے ہیں کہ ثبوت اس کا عقلی ہے ورنہ سمعی تھا اور اگر یہ کمال نہیں ہے تو جناب علامہ کنتوری سے پوچھیئے۔ کہ وہ کیوں فرماتے ہیں کہ بعد بعثت اس کمال سے بھی اپنے پیغمبرؐ کو خدا نے محروم نہ رکھا۔ اسی کلام سے در پردہ ہر دو بزرگوں کی تکذیب کی گئی ہے۔

شادم کہ باز قبیاں دامن فشاں گذشتی
گو مشت خاک با ہم بہ باد رفتہ باشد

اور جبکہ یہ ایسی مفید اور ضروری چیز نہیں ہے تو جناب امام محمد باقر علیہ السلام کیوں اس شخص کو ملعون فرماتے ہیں جو یہ کہے کہ حضرتؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ علاوہ ازیں اگر بنا بر مسلمہ جناب ممتاز حفظ و اعلام کی ضرورت صرف تبلیغ رسالت میں ہے۔ تو چاہیئے تمام وہ انبیاء جو صرف نبی تھے اور رسول نہ تھے بے حافظہ بلکہ بے ملکہ و بے علم ہوں کیونکہ تقریرات سے صاف ظاہر ہے کہ ضروریات نبوت اور شے ہیں۔ اور رسالت اور حلیۃ الرسالۃ اور۔ لیکن فرمائش امام علیہ السلام کی بنا پر ملکہ قرأت و کتابت تبلیغ کیلئے ضروری ہے۔

اور مولف رسالہ "اظہار حق" نے اسکی تصریح کی ہے اور اقرار کیا ہے اور اسی حدیث امام محمد باقر علیہ السلام کی شرح میں اسکو بڑے شد و مد سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قبل بعثت ملکہ قرأت و کتابت کی ضرورت نہیں ہاں بعد بعثت تبلیغ کیلئے ضروری ہے اسی لئے کلام امامؑ اور ان کا منکرین پر لعنت کرنا۔ بعد بعثت اور وقت تبلیغ ہی سے متعلق ہوگا۔ دیکھو (اظہار حق) عجیب تناقض ہے ایک صاحب کچھ فرماتے ہیں دوسرے صاحب کچھ۔

نیز اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان کا حافظہ نہایت قوی ہوتا ہے اور اسلئے ان کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں وہ صرف حافظہ سے کام لے سکتے ہیں۔ تو جناب صدوق علیہ الرحمۃ کی نسبت کیا فتویٰ ہوگا جو انبیاء کیلئے بھی سہو و نسیان کے قائل ہیں اور انکے مسلمات کی بنا پر کیا جواب دیا جائیگا۔

دوسرا استدلال اثنا عشری یکم ستمبر ۱۹۰ء حال اعجاز میں تمام ائمہ قرأت و کتابت کر سکتے ہیں اور حالت معجزہ کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سے نہ ملکہ کا ان میں ضروری مذہب ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ اس سے ثبوت ملکہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اعجاز جب ہی کہلائیگا جب بلا ملکہ وہ فعل صادق ہو یہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وقت اظہار قرأت و کتابت اعجازی ان میں محض قوت و استعداد ہوتی ہے یا ملکہ اگر قوت و استعداد ہوتی ہے تو وہ مقام فعلیت نہیں ہے استعداد محض سے کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ لا بد ماننا پڑیگا کہ وقت اظہار قرأت و کتابت اعجازی انکو اسکا ملکہ عطا کر دیا جاتا ہے لیکن بعد ازاں ان سے سلب کر لیا جاتا ہے اور وہ ہی استعداد باقی رہجاتی ہے۔ کیونکہ بعد استعداد ملکہ ہی کا درجہ ہے۔ اور محتاج کسب و اکتساب و تعلم عن الغیر ہو جاتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ قبل اظہار معجزہ ان میں قوت استعداد بھی نہیں ہوتی تو یہ ماننا پڑے گا کہ گویا حضرات معصومینؑ از روئے خلقت و فطرت دوسرے انسانوں سے ادنیٰ اور پست تر ہوتے ہیں اور فطریات سے بھی خالی۔ علاوہ بریں جب انکو یہ رتبہ حاصل ہے کہ قرأت و کتابت بلا تحصیل و اکتساب و تعلیم و بلا اسباب خارجیہ بطور اعجاز ظاہر فرما سکتے ہیں اور بعض ائمہ علیہم السلام سے ایسا ہوا بھی ہے مثل حضرت جوادؑ و حضرت حجہؑ۔ تو پھر یہ بتلایا جائے کہ یا وجود اس فضیلت کے انکو کسب و اکتساب کی کیا ضرورت ہے جب انکو ضرورت ہوگی اور جب وہ چاہینگے بلا کسب و اکتساب بلا اسباب ظاہریہ اسکو ظاہر فرما دینگے۔ انکو کسی سے سیکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں اور جناب مولانا ناصر حسین صاحب کا یہ فرمانا کہ ملکہ قرأت و کتابت جناب امیرؑ نے کسی غیر سے سیکھا بالکل بے مدرک و نادرست ہوگا۔ اور اسکی کیا وجہ ہے کہ تمام علوم تو حضرت امیرؑ کو من اللہ و من الرسول حاصل ہو گئے اور ملکہ قرأت و کتابت میں تعلیم غیر کے محتاج رہے اگر حضرت طالب علم قرأت و کتابت ہوئے اور خدا نے ان کو بطور اعجاز عطا فرما دیا تو پھر اکتساب جدید کی ضرورت نہیں اور اگر باوجود طلب [illegible] حضرت کو خدا نے نہ دیا تو پھر وہ فضیلت اعجاز باطل اور اگر بلا طلب ہی خدا نے عطا کر دیا۔ تو پھر بھی کسب و اکتساب باطل

اور یہی مطلب ہے اور اگر آپ طالب ہوئے اور نہ ان کو خدا نے خود عطا فرمایا تو پھر لکھتے کیسے تھے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو مسئلہ اکتساب صاف ہو جاتا ہے اور بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اسلئے کہ جب ان میں یہ صفت موجود ہے کہ وہ اکتسابی چیزوں کو بلا کسب و اکتساب بلا اسباب ظاہریہ خارجیہ ظاہر فرما سکتے ہیں اور انکی شان یہ ہے "اذا شاءوا اعلموا اعلموا" جب وہ کچھ جاننا چاہتے ہیں تو ان کو عطا کر دیا جاتا ہے۔ تو ان کا دوسرے سے کسب و اکتساب کرنا بالکل لغو و فضول و تحصیل حاصل ہے۔ اور لفظ "اذا" سے معلوم ہے کہ یہ صفت ہر وقت اور ہر زمانے میں ان میں موجود ہے۔ قبل بعثت اور بعد بعثت کی قید نہیں۔ اسلئے کسی وقت بھی انکو اکتساب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ آیا انکو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ جس وقت چاہیں اور جس وقت طلب کریں اکتسابی چیزوں کو بلا کسب و اکتساب بطور اعجاز ظاہر کر سکتے ہیں۔ یا نہیں اگر نہیں۔ تو یہ دعوے باطل کہ وہ اعجازی حیثیت سے قرأت و کتابت کر سکتے ہیں اور اگر کر سکتے ہیں تو اکتساب باطل اور وہی مطلب ہے۔ اور ہم تمام باتوں کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ ان میں یہ طاقت و قدرت ہوتی ہے کہ ہر ایک قسم کی کتابت کو جب چاہیں اور جس وقت چاہیں قبل بعثت ضرورت ہو یا بعد بعثت لکھ پڑھ سکتے ہیں اور محتاج تعلیم و اکتساب نہیں۔ اور یہی صفت جناب رسالتمآب و ولایت مآب میں ابتدائے عمر بلکہ ابتدائے خلقت سے موجود تھی اور یہ حضرات قبل بعثت و وصایت ظاہری ہر ایک قسم کا خط و کتابت لکھ پڑھ سکتے تھے۔ خواہ اسکو اعجاز کہا جائے یا کچھ اور نام رکھا جائے۔ ہمارے نزدیک تو یہی اعجاز بلکہ اکمل اعجاز ہے کہ وہ علوم اور وہ باتیں جو دوسرے کسب و اکتساب تعلیم و تعلم کے بعد ظاہر کر سکتے ہیں وہ بلا کسب و اکتساب کرتے ہیں اور جو باتیں دوسرے انکو مدت عمر کے بعد حاصل ہوتی ہیں انکو ابتدائے عمر سے حاصل ہوتی ہیں وہ ابتدائے عمر میں بھی اسی طرح لکھ پڑھ سکتے ہیں جس طرح بعد بعثت۔ اور ہمارے نزدیک اول اعجاز یہ ہے کہ وہ تمام کمالات ابتدائے عمر ہی سے موجود ہوں۔ یہ نہیں کہ اگر چالیس سال کے بعد بلا تعلیم و تعلم وہ قرأت و کتابت ظاہر کریں تو معجزہ ہے اور اگر پیدا ہوتے ہی یہ صفت ان میں پائی جائے تو معجزہ نہیں۔ مدت اور عمر کو اعجاز میں کوئی دخل نہیں کہ چھوٹی عمر میں جو بات ظاہر ہو وہ اعجاز نہیں بڑی عمر میں ہو تو اعجاز ہے۔ بلکہ اگر ہے تو بالعکس ہے کہ ابتدائے عمر میں اس میں کمالات موجود ہوں ورنہ بڑی عمر میں اکثر لوگوں میں وہ کمالات ہو سکتے ہیں۔ اور کمال اعجاز آنحضرتؐ یہی ہے کہ وقت ولادت بلکہ قبل ولادت ان تمام کمالات سے متصف ہوں جو دوسرے لوگ بعد مدت و بعد کسب و اکتساب کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ "النبی نبی ولو کان صبیاً" یہ محض فریب و دھوکہ ہے کہ اگر امام یا نبی وقت ولادت سے لکھنا پڑھنا جانتا ہو تو اعجاز نہیں۔ ہاں اگر ایک مدت مدیدہ جاہل رہے اور پھر اسکو قرأت و کتابت عطا ہو تو وہ اسکا اعجاز ہے یہ کمال نہیں بلکہ عیب و نقص ہے

کہ ایک مدت مدید تک وہ کمالات سے عاری رہے اور خلعت جہالت سے آراستہ۔ کیا جہالت بھی کمال شمار ہو سکتی ہے؟
ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات کہ وہ غیر اکتسابی چیزوں کو بلا کسب و اکتساب بطور اعجاز ظاہر کر سکتے
ہیں اس سے قرأت و کتابت ہی مخصوص نہیں تمام کمالات علوم و فنون اس میں مشترک و عام ہیں ہر ایک
علم و فن کو اسی طرح ظاہر کر سکتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کسی علم اور کسی کمال کے پہلے سے موجود ہونے کی
ضرورت نہیں۔ پھر کوئی دلائل کی بنا پر جناب فاضلین یہ فرماتے ہیں کہ وہ تمام کمالات کے رُو سے انبیاء اور اوصیاء
کو قبل بعثت بلکہ وقت ولادت اور قبل ولادت کامل و اکمل سمجھتے ہیں۔ وہ جس علم و جس کمال کو بھی جس وقت
چاہیں گے بطور اعجاز ظاہر فرما دیں گے۔ اور اس لئے کسی وقت میں بھی نہ قبل البعثت و وصایت اور نہ بعد انکے
عالم اور صاحب ملکات ہونے کی ضرورت نہیں۔ لہذا صاف لکھ دیجئے کہ نبی اور امام کیلئے عالم ہونا نہ
قبل بعثت و وصایت ضروری ہے اور نہ بعد۔ مزید برآں الہی دلیل سے تمام علوم میں اکتساب انبیاء و اوصیاء
باطل۔ اسکے بعد کوئی ضرورت کسب و اکتساب و تعلیم کی نہیں رہتی۔ اور یہ بالکل غلط ہے کہ بعض اکتسابات
کا امکان تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور یہ کہ اکتساب مطلق کی نفی انبیاء اور اوصیاء سے موجب تکذیب قرآن
و احادیث ہے۔ بلکہ بالعکس انبیاء اور اوصیاء کے اکتساب کا قائل ہونا باعث تکذیب قرآن و احادیث
ہے اور فاضلین کے مسلمات خود اکتساب کو باطل کرتے ہیں (کما بیناہ آنفاً)
ششم۔ نہایت شد و مد اور سخت ادعا کے بعد لکھتے ہیں ہے جناب علم الہدیٰ کا قول کیا لغو سمجھا گیا
جو زعم کی نسبت ان کو دی گئی اگر یہ لغو ہے تو میں نے بحث تعلیم درمیان سے اٹھا لی آپ دوسری چیز کو
ثابت کیجئے کہ وہ بلا واسطہ جبرئیل آپ تک پہنچیں ہے گویا جناب ممتاز الافاضل صاحب کا اس میں یہ دعوےٰ ہے
کہ علم قرأت و کتابت تو کیا کوئی شے بھی آنحضرت کو بلا واسطہ جبرئیل نہیں پہنچی جو کچھ ملا ہے جبرئیل ہی
کے واسطہ اور وسیلہ اور طفیل سے ملا ہے یہاں سے ناظرین جناب ممتاز الافاضل اور انکے شاگرد کی
معرفت نبوت اور قرآن دانی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو نہ
تو تعلیم الہٰی اور انحاء و طرق تعلیم کا پتہ ہے اور نہ وحی کی حقیقت سے واقفیت۔ گویا قرآن تو کبھی اٹھا کر
ہی نہیں دیکھا۔ ورنہ ہرگز ایسا ادعا نہ کرتے جبکہ بکمال صراحت کلام حمید مجید نے کلام الہٰی کی اقسام کو
بتلا دیا گیا ہے اور یہ کہ جبرئیل کا آنا اور پیغام الہٰی پہنچانا منجملہ طرق ثلاثہ تکلم الہٰی ایک اور آخری
طریقہ ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ۔ ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب
او یرسل رسولاً الخ اول درجہ وحی ہے دوم پس پردہ سے آواز کا پیدا ہونا تیسرا طریقہ
قاصد کا بھیجنا ہے کہ وہ آکر خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔ پہلے دونو طریقہ ہائے تعلیم الہٰی اور تکلم خداوندی

میں جبرئیل یا کسی دوسرے فرشتے کو کوئی دخل نہیں۔ خصوصاً طریق اول۔ ہم سابقاً عرض کر چکے ہیں ختم نبوت کے دستیاء علوم منتشر ہیں۔ کہ منجملہ انکے ایک یا دو یا سے عادتہ ہے۔ اور ان سے طریق ہائے تعلیم میں سے سوائے بعض کے اور کسی میں جبرئیل واسطہ نہیں۔ تمام تعلیمات بلاواسطہ جبرئیل ہوتی ہیں۔ اور جہاں واسطہ ہیں وہ بھی نہ واسطہ فی التعلیم ہیں۔ بلکہ سفیر۔

یہ امر کچھ حضرت ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر ایک نبی کو بلاواسطہ جبرئیل بہت کچھ پہنچا ہے اور تعلیم ہوا ہے۔

اول حضرت آدم کو لیجئے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ یہ تعلیم جناب آدم کو نفخ روح نبوتی کے ساتھ یقیناً بلاواسطہ جبرئیل تھی۔ اور جناب جبرئیل خود ان تمام ملائکہ میں داخل ہیں جو اسماء اشیاء سے جاہل تھا۔ جو حضرت آدم نے انکو تعلیم دی۔

دوم حضرت ابراہیم۔ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے بواطن دکھلائے۔ اس ارأءۃ اور تعلیم باطنی میں ہرگز حضرت جبرئیل واسطہ نہیں۔

سوم حضرت موسیٰ۔ خدا کا حضرت سے کلام کرنا۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا۔ قرآن شریف میں بیس بائیس جگہ مرقوم ہے۔ اور بکمال وضاحت مرقوم ہے کہ اس تعلیم و تکلم میں جبرئیل یا اور کوئی فرشتہ واسطہ نہیں ہے۔

چہارم حضرت عیسیٰ کو لیجئے۔ فرماتے ہیں إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ یہ عطاء کتاب جو وجود کے ساتھ ہے۔ ہرگز جبرئیل کے واسطے سے حضرت کو نہیں پہنچی جیسا کہ مقدمات میں تصریح کی گئی۔

پنجم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لیجئے۔ اور آیات معراج تلاوت فرمایئے۔ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ الخ۔ یہ وحی یقیناً بلاواسطہ جبرئیل تھی اور جبرئیل کو اس کی ہرگز خبر نہیں تھی۔ بلکہ وہ مقام ہی مقام جبرئیل سے کہیں بالاتر ہے۔ نہ جبرئیل میں وہاں تک پہنچنے کی قوت اور نہ اس تعلیم خاص اور اسرار مخصوص کی قابلیت۔ سِرُّ الْحَبِيبِ مَعَ الْحَبِيبِ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرَّقِيبُ۔ لَوْ دَنَوْتُ أَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ۔

؎ اگر یک سر موئے برتر پرم + فروغ تجلی بسوزد پرم

سے صاف ظاہر ہے کہ خود حضرت جبرئیل میں اتنی قوت و استعداد ہی نہیں کہ وہ ان چیزوں کا متحمل ہو سکے جن کا وجود پاک محمدی متحمل ہوا جبرئیل خود ایک ذرہ آثار انوار جلال و جمال محمدی ہے۔ بلکہ یہ امر کچھ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام ہی سے مخصوص نہیں۔ دیگر موجودات بھی اس میں شریک ہیں۔ اور انکو بھی بلاواسطہ مبدء فیاض سے فیضان علم و معرفت ہوتا ہے۔ زمین کی بابت فرماتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا " اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی کہ تیرے پروردگار نے اسکو وحی کی ہے "
آسمانوں کی نسبت فرمایا ہے۔ "وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا" ہر ایک آسمان میں اُنکے امر کو وحی کیا جیوانوں
میں شہد کی مکھی کی بابت فرماتا ہے "اِذْ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا الخ۔
جبکہ وحی کی تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو کہ وہ پہاڑوں میں گھر بنائے الخ۔
پھر نفس انسانی کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا"
قسم ہے نفس کی اور اسکی جس نے اسکو بنایا ہے اور اُسکی نیکی و بدی اچھائی و برائی کو اسکو الہام کر دیا ہے۔
غرض انسان حیوان سے لیکر جمادات و اجرام سماوی تک اس تعلیم بلاواسطہ اور فیضان الٰہی سے کوئی
محروم نہیں ہے۔ اور یقیناً وہ تعلیم جو من جانب اللہ بلاواسطہ غیر ہو۔ اس تعلیم سے جو بواسطہ ہو افضل و اشرف
ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ افضل المرسلینؐ خاتم النبیین کو اس فیض سے محروم رکھا جائے۔ قطعاً خلاف نصوص
قرآن اور صحاح احادیث و عقل سلیم ہے۔ اور یہ بالکل غلط ہے کہ آنحضرتؐ کو کوئی چیز بلاواسطہ جبرئیلؑ نہیں
پہنچی۔ جناب ممتاز کا یہ فرمانا اور اس پر تحدی کرنا صاف بتلاتا ہے کہ جناب موصوف تعلیم الٰہی سے قطعاً
بے خبر ہیں اور مطالعہ قرآن سے محروم۔ اور آجتک انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا بلاواسطہ جبرئیلؑ بھی
آنحضرتؐ کو کچھ پہنچا جبکہ کوئی چیز بھی اسی تعلیم بلاواسطہ سے محروم نہیں تو کیا معاذ اللہ آنحضرتؐ میں قابلیت
نہ تھی کہ بلاواسطہ فیض الٰہی کے متحمل ہو سکیں یا حضرتؐ میں اتنا تقویٰ نہ تھا کہ تعلیم الٰہی کے مستحق ہوں۔
جو ذات اقدس واسطہ فیضانِ جمیع فیوضاتِ الٰہیہ و مظہر اوّل و نمونہ بزرگ صفات جلالی و جمالی باریتعالیٰ
ہے اسکو محتاج تعلیم توسطی کہا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کو کوئی شے بلاواسطہ جبرئیلؑ نہیں
پہنچی۔ حالانکہ جبرئیلؑ تعلیم تو درکنار اپنے وجود میں محتاج توسطِ واسطۂ مطلقہ الٰہی حضرت رسالتؐ پناہی
ہے " ؎ ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا "

منتقم۔۔ فرماتے ہیں "بعثت و خارق عادت آثار ملکۂ نبوت سے نہ معلوم کیوں تسلیم کئے گئے اور اگر
اسکے آثار میں شمار کئے جائیں تو چونکہ نبوت اختیاری نہیں ہے (کیونکہ وہ ایک قوت خاصہ ہے جو وہبی
ہے) تو اسکے آثار کا نہ ظاہر ہونا ناممکن ہے "

سبحان اللہ کیا کیا عجیب افادات و استدلالات ہیں۔ کیسے کیسے نادر نکات بیان ہوتے ہیں۔ ہماری
سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بعثت و معجزات آثار نبوت میں نہیں ہیں۔ تو کیا آثار انسانیت مطلقہ ہیں
یا آثار حیوانیت ہیں اور اگر ایسا ہے تو پھر وہ دلائل نبوت و رسالت کیوں شمار کئے جاتے ہیں اور ان
سے تصدیق نبوت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اگر معجزات انبیاء آثار نبوت انبیاء نہیں تو کیا معاذ اللہ آثار جہالت ہیں

یا آثار کا ذہنیت۔ ہم بتلا چکے ہیں اور مقدمۂ نبوت میں تصریح کر چکے ہیں کہ معجزات آثار نبوت ہیں اور اسی روح قدس کا اثر ہیں جو خاص نبی ہی کو عطا ہوتی ہے۔ اگر صرف حالات حضرت آدم ہی پر نظر کیجائے تو مومن کیلئے یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ جب حضرت آدمؑ میں روح پھونکی گئی ابھی چشم مبارک ہی تک پہنچی تھی کہ ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور جب ناک میں پہنچی تو چھینک آئی تمام مسامات بدن کھل گئے۔ الحمد للہ فرمایا۔ پھر خطبہ پڑھا اور حقایق و معارف و اسماء جمیع اشیاء بیان کئے۔ (رجوع کیجئے۔ حالات روح حضرت آدم کی طرف مقدمۂ کتاب میں) امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسی روح سے تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک کی باتیں جانتے ہیں اور ہر ایک کام کرتے ہیں جس کا صریح مطلب یہی ہے کہ جس قدر امور بھی انبیاء علیہم السلام سے بطور خرق عادت و غیر خرق عادت ظاہر ہوتے ہیں سب اُسی روح نبوتی کے آثار ہیں ہم ماننے کو تیار ہیں اگر قول امامؑ یا نبیؐ سے ثابت کر دیا کہ معجزات آثار نبوت نہیں ہیں مگر سوائے ناواقفیت از مقامات نبوت اور اسکی دلیل ہی کیا ہے "لَقَدْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ" ماشاء اللہ اسکی جو علیت بیان فرمائی ہے وہ بھی مستحق ہزار آفرین ہے اگر ارسطو و افلاطون زندہ ہوتے تو اس استدلال عقلی اور فلسفیت پر قربان ہو جاتے معجزات کے آثار نبوت نہ ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ نبوت امر اختیاری نہیں ہے اور گویا معجزات امور اختیاریہ ہیں اسلئے وہ آثار نبوت نہیں ہو سکتے۔ مگر نہ معلوم کہ معجزات کو کن معنی میں امور اختیاریہ انبیاء کہا جاتا ہے جبکہ تعریف معجزہ میں کہا جاتا ہے کہ "معجزہ فعل خدا ہوتا ہے" اور یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ نبوت کن معنی میں غیر اختیاری ہے اگر یہ مطلب ہے کہ نبوت عطیۂ الہیہ ہے کسی کے فعل ذاتی کو اسکے حصول میں دخلیت نہیں تو مسلّم لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ معجزات آثار نبوت نہیں ہو سکتے اور اگر مطلب یہ ہے کہ نبوت فعل اختیاری نہیں اضطراری ہے اور نبی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اگر چاہے تو ضبط کرے اور چاہے ظاہر کرے۔ بلکہ مثل فاعل موجب مجبور و مجبول ہے کہ اُوسکے آثار اس سے بلا اختیار صادر ہوں اور اُسکے وجود سے تخلف اثر محال ہے جس طرح وجود آفتاب سے ضو کا تخلف محال ہے کہ آفتاب نکلا ہوا ہو اور روشنی نہ ہو اور یہی انکی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر معجزات کو آثار نبوت سے شمار کیا جائے تو چونکہ اختیاری نہیں اسلئے آثار کا نہ ظاہر ہونا ناممکن ہوگا یعنی بے اختیار نبی سے آثار نبوت ظاہر ہو جائینگے۔ نہ وہ اپنے علم کو روک سکے گا نہ کمالات باطنیہ کو ضبط کر سکیگا۔ فوراً سب ظاہر ہو جائینگے بلکہ نکل پڑینگے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ نبی کیا ہوا ایک تماشہ ہوا اور ایک بے شعور، بے بس اور آگ و بے اختیار وجود۔ پھر نبوت کی جو تعریف فرمائی ہے وہ محض مہمل ہے "نبوت ایک قوت ہے جو دی گئی ہے" نہ معلوم یہ تعریف کس

حدیث اورکس آیت سے مستنبط ہے۔ اور اسکے حقیقت نبوت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں لزوم کیا ہے۔ کہ چونکہ ایک قوت ہے جو دیگئی ہے۔ اسلئے معجزات آثار نبوت نہیں ہو سکتے۔ کیا جو قوتیں ہیں وہ سب اضطراری ہوتی ہیں۔ اگر مطلب یہ ہے کہ نبوت عطیہ الہی ہے تو اس میں بھی کوئی لزوم نہیں کہ نبوت عطیہ الہی ہے تو معجزات آثار نبوت نہیں ہو سکتے۔ نیز اگر یہ صحیح ہے کہ آثار نبوت کا نبوت سے جدا ہونا اور ظاہر ہونا محال ہے تو پھر بیشمار احادیث و روایات کیساتھ ابتدائے عمر سے آنحضرت صلعم کی نبوت کا انکار کیجئے کیونکہ آثار اسکے ایک مدت مدید تک ظاہر نہیں ہوئے۔ بلکہ بعد بعثت بھی پھر چند سال تک حضرت پوشیدہ رہے اور آثار نبوت ظاہر نہیں فرمائے۔ غالباً یہی اعتقاد ہوگا اور بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔ ارشاد اسی شبہ کی وجہ سے آنحضرت صلعم کو چالیس سال تک جاہل ورفاقد الکمالات جناب کنتوری نے لکھا ہے کیونکہ حضرت سے قبل بعثت آثار نبوت ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ بھی غلط و باطل و عدم واقفیت از حالات آنحضرت پر دال ہے۔ کیونکہ فی الجملہ آثار نبوت برابر آنحضرتؐ سے ظاہر ہوتے تھے بلکہ وقت ولادت ہی سے ایسے آثار ظاہر ہوتے تھے کہ آجتک مشہور و معروف ہیں اور تمام علماء نجوم میں ایک کھلبلی مچ گئی تھی اور اہل بصیرت حضرتؐ کی رفتار و گفتار و طریق معاشرت سے پہچانتے تھے کہ آنحضرت کیا ہیں اور کیا کرنے والے ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ تک پہچانتے تھے اور بچپن ہی سے انکی نبوت کی تصدیق کرتے تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی
میتافت ستارۂ بلندی

بلکہ نہ صرف آنحضرت بلکہ سب انبیاءؑ سے بعض آثار نبوت ابتدائے خلقت ہی سے ظاہر ہوئے ہیں۔ جو انکے کمال باطن پر دلالت کرتے ہیں اور سب اسی روح قدس کا اثر ہے۔ جو مابہ النبوت ہے اور وہ ہی دلائل وجود یہ ہیں۔ یہ محض بے مدرک باتیں صرف ظن و قیاس سے بیان کی جاتی ہیں نہ از روئے بصیرت۔ لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ تخیلات پر دین کی بنا نہیں اور قیاس سے معارف واقعیہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ فان الظن لا یغنی الخ۔ معجزات یقیناً آثار نبوت ہیں اور نبی بے اختیار محض نہیں ہوتا اور اسکے افعال بلا احساس و ادراک شعور و بے اختیار ظاہر نہیں ہوتے۔ نبوت حجاب الٰہی ہے اور ختم نبوت حجاب اکبر و ناموس اعظم اس کا ظاہر کرنا حکم خدا پر موقوف ہے۔ جبتک حکم خدا نہ ہو یہ پردہ نہیں اٹھ سکتا اور اتنا ہی اٹھتا ہے جتنا اٹھانے کا حکم ہوتا ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ۔ بعض وقت فوراً اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی چند سال بعد اور کبھی چالیس سال کے بعد اظہار کلی کا حکم ہوتا ہے اور یہ مصالح الٰہیہ پر

مبنی ہے۔ نہ جناب فاضلین اورکنتوری صاحب کی رائے پر حقیقت بنوت جناب فاضلین اورکنتوری صاحب کے قیاسات وتوہمات وتخیلات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک موہبت عظمیٰ الٰہی ہے اور ایک درجہ رفیعہ خداوندی ہے

~این سعادت بزور بازو نیست الخ~

فلا تقف ما لیس لک بہ علم۔ کما قال الخلیل یا ابت انی قد جاءنی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطاً سویا۔ فوطنۃ تذکرۃ لمن شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔

ہشتم۔ جناب ممتاز الافاضل صاحب بڑے فخر سے فرماتے ہیں (اثنا عشری ۱۵ جولائی ۹ء ملاحظہ ہو) کہ وہ امت وسط میں داخل ہیں اور وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا الخ کے مصداق۔ تمام لوگوں پر شہید ہیں۔ یہ دعویٰ بھی انکا ناواقفیت اور قرآن سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ علاوہ نص آیات کریمہ احادیث کثیرہ شاہد ہیں امت وسط جنکی صفت شہید علی الناس ہے۔ ائمہ ہیں اور انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ برید العجلی کی روایت میں ہے کہ ان نے صادقؑ سے دریافت کیا تو فرمایا نحن الامۃ الوسطیٰ ونحن شھداء اللہ علی خلقہ وحجتہ فی ارضہ۔ یعنی ہم ہی امت وسطیٰ ہیں اور ہم ہی شہداء ہیں اور ہم ہی حجت خدا ہیں۔ یہی ابوالبصیر سے مروی ہے اور اسی مضمون کو برید العجلی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کیا ہے اور شواہد التنزیل میں جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ایانا عنی بقولہ وکذلک الخ یعنی اس قول خدا سے مراد ہم ہی ہیں اور کوئی نہیں۔ کتب احادیث اسی مضمون سے پر ہیں اور بعض علماء کرام نے مخصوص باب اسی امر میں لکھا ہے کہ ائمہ شہداء علی الناس ہیں۔ بنابریں امت وسط میں سوائے ائمہ معصومین اور کوئی داخل نہیں پھر نہ معلوم جناب ممتاز الافاضل صاحب کس دلیل سے داخل امت وسط ہوئے۔ مگر یہ کہ مدعی مہدویت ہوں یا تیرھویں امام۔ اسی مضمون کے اشاعت کے موقع پر جب احتجاج کیا گیا اور دریافت کیا کہ اس مضمون کے لکھنے والے کون صاحب ہیں جو امام ثالث عشر بنتے ہیں تو آئندہ اس سلسلۂ مضمون کے نیچے سید صغیر حسن باسٹوی کا نام لکھا جانے لگا۔ یہی صغیر حسن صاحب اظہار حق میں اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جناب ممتاز الافاضل شہید نہیں بلکہ مشہود علیہم میں داخل ہیں بہت اچھا ہم جانے دیتے ہیں کہ وہ مشہود علیہم میں داخل ہیں مگر اس سے انکو کیا فخر حاصل ہوا۔ مشہود علیہم میں تو تمام کفار ومشرکین بھی داخل ہیں اور ائمہ شہداء علی الناس ہیں اور سب کے اعمال کو دیکھتے ہیں اس میں جناب ممتاز الافاضل کو کونسی فضیلت خاصہ حاصل ہوئی جس پر وہ فخر کریں۔ سچ ہے۔ عذر گناہ بدتر از گناہ۔

اڈیٹر رسالہ اصلاح اور بحث ملکۂ قرات وکتابت

ہم دیباچہ میں عرض کر آئے ہیں کہ اس بحث کے طول کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسکو دینی لباس پہنا کر پولٹیکل بحث بنایا گیا۔ گویا پنجاب کا لکھنؤ اور حوالی لکھنؤ پر جارحانہ حملہ تھا جس کی روک تھام اور مدافعت، ہر پہلو اور ہر ایک تدبیر سیاسی و پالیٹکس سے کی گئی۔ اور اسلئے ہر ایک شخص نے جو کچھ ہو سکا اہل لکھنؤ کی حمایت میں تحریراً تقریراً حصہ لیا۔ ماہ ذالحجۃ الحرام ۱۳۲۷ھ ہجری میں رسالہ اصلاح نے بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اور آنحضرتؐ اور حضرات ائمہؑ کی شان میں وہی لکھا جو دوسرے لکھ رہے تھے۔ بلکہ کچھ زیادہ۔ تمام عرب کو اُمّی یعنی جاہل اور ان پڑھ فرمایا اور پھر فرمایا کہ ان تمام اُمّیین میں سے پھر اپنے نبی کو جس پر کتاب اتاری تھی اُمّی بنایا یعنی جُہّال میں سے ایک اجہل پیدا کیا کہ اس پر اپنی کتاب اتاری کہ کسی کو شک و شبہ کا موقعہ نہ ملے اور اس آیت کو پیش فرمایا "ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" اور لفظ "منھم" سے یہ استدلال کیا گیا کہ خدا انہی امیین جاہلین میں سے ایک فرد کو پیغمبر فرماتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اُمّی ہوئے یا جاہل"

لیکن یہاں ایک تسامح ہوا وہ یہ کہ اس آیت میں ان اُمیین کو جن میں سے ایک پیغمبر ہے جناب فخر العلماء کی تفسیر کے موافق ضلال کی صفت سے متصف کیا گیا ہے۔ کہ وہ گمراہ تھے تو پھر آنحضرتؐ بھی گمراہ ہوئے یہ بھی لکھ دینا چاہئے تھا تاکہ علامہ کنتوری صاحب کی مزید تائید ہو جاتی۔ نہ معلوم اسکی تصریح کیوں نہیں فرمائی۔ حالانکہ اس خیال کی بنا پر۔ "ووجدک ضالاً فھدیٰ" اسکی تائید کیلئے موجود ہے"

بہرحال اس مضمون کے متعلق جناب سید صغیر حسین صاحب قتیل اڈیٹر رسالہ الحق لاہور نے نوٹس لیا۔ اور یہی ایک شخص ہے جس نے تائید حق میں حصہ لیا اور حضرات ائمہ معصومینؑ کی حمایت میں کچھ لکھا۔ اور اچھا لکھا۔ اور اس مضمون کا جواب کافی و شافی دیا (ملاحظہ ہو رسالہ الحق لاہور جنوری و فروری سنہ ۱۹۱۰ء) اور جناب اڈیٹر اصلاح نے اسکی بابت پھر کچھ نہیں لکھا۔ البتہ کشف الحجاب کی اشاعت کے بعد اس پر ریویو کرتے ہوئے لکھا کہ اس رسالے (کشف الحجاب) میں اہل پنجاب کے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی اور نہ کوئی آیت یا حدیث لکھی گئی۔ "کشف الحجاب" مومنین کے پاس اب بھی موجود ہے اور ملاحظہ فرما چکے۔ اور اہل انصاف اُسکے دلائل کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اور اسی رسالے سے بہت سے حضرات کے شبہات و شکوک رفع ہوئے آیات و احادیث بھی اس میں درج ہیں اور موجود ہیں۔ نہ معلوم پھر کیوں نفی فرمائی گئی ہے۔ شاید آیت و حدیث سے مراد انکی کسی قبلہ و کعبہ کا قول ہو گی۔ یا کسی اور قرآن یا کتاب کی آیات مراد ہو نگی جو اس میں نہیں ہیں ورنہ اس قرآن مجید کی آیات تو اس میں درج ہیں۔ اور ان

لوگ اسکے مطالعہ کی طرف توجہ نہ کریں۔ غیر لین کا فرض تھا جو ادا کیا۔ والانسان علی نفسہ بصیرہ"

جناب سید احمد حسین صاحب اور مسئلہ مذکورہ

رسالہ الحق دیکھکر جناب سید احمد حسین صاحب خلف جناب مولانا مولوی سید اعجاز حسین صاحب رئیس امروہہ ضلع مراد آباد زید فضلہ نے ۸ مارچ ۱۹۱۰ء کے اخبار اثنا عشری میں سلسلہ مضامین عجیبہ شروع کیا جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکے لفظ لفظ سے آواز آتی ہے "سب سے جدا روش میرے باغ سخن کی ہے" اس عجوبہ زمان جاہزکہ دوران مضمون میں منجملہ دیگر افادات جدیدہ ایک یہ کہ ما فرما دیا اللہ آپنے ملکہ قرآت وکتابت سے ملکہ قرآت وکتابت قرآن مجید۔ فرقان حمید مراد لی ہے اور فرماتے ہیں ملکہ قرآت و تلاوت کتاب سے اسی وقت متعلق ہوگا جبکہ علم کتاب قبل نزول کے ثابت کیا جائے۔ سبحان اللہ کیا عقل و فہم ہے۔ کہاں مطلق قرآت وکتابت کہ حضرت قبل بعثت سواد خط کتابت (لکھنا پڑھنا) جانتے تھے یا نہیں۔ اور کہاں قرآت وکتابت قرآن مکتوب جس سے معلوم ہوا کہ نہ آپ سوال سائل کو سمجھے اور نہ جواب مجیب منظلہ کو

ع بریں عقل و دانش بباید گریست ۔ ایسے ہی مقام پر موزون ہوتا ہے۔ پھر اس ملکہ کے نہ ہونے پر دلیل بھی ایسی ہی عجیب بیان فرمائی ہے۔ کہ یہ ملکہ جب ثابت ہو جبکہ کتاب کا علم قبل نزول ثابت ہو یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت قبل نزول قرآن عالم قرآن تھے۔ تو پھر یہ ملکہ بھی اس سے متعلق ہو سکتا ہے جس کی رکاکت ہر ذی فہم پر ثابت ہے۔ کہ علم قرآن سے ملکہ قرآت وکتابت کو کیا تعلق ہے۔ علم قرآن کتاب مکتوب قرآن نہیں ہے۔ کسی کتاب کا عالم ہونا اور شے ہے۔ اور اسکے سواد اور خط وکتابت کا لکھنا پڑھنا اور چیز۔ دونوں میں کوئی لزوم نہیں۔ پھر یہ کیونکہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ اگر قبل نزول قرآن عالم قرآن تھے تو لکھ پڑھ بھی سکتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت کا قبل نزول قرآن عالم کتاب ہونا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے بلکہ آیات کثیرہ سے بلکہ ہر ایک نبی قبل نزول ظاہری کتاب بخصوصیت عالم کتاب ہوتا ہے۔ وہ کتاب وجودی اسکے وجود کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ عالم بناکر ہی خطاب نبی دیا جاتا ہے۔ ہاں اظہار نبوت و تبلیغ جسکو بعثت کہا جاتا ہے وہ حکم اجراء پر مبنی ہے۔ اور رسالت و نبوت میں فرق بین ہے۔ ستم ظرفہ یہ ہے کہ آپکا یہ عجیب استدلال کہ حضرت میں قرآن کی تلاوت کا ملکہ نہ تھا آیہ مجیدہ "وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب" سے مستنبط ہے۔ اور من کتاب میں کتاب سے مراد قرآن لی ہے اور فرمایا کہ جب قرآن نازل ہی نہیں ہوا تھا اور آپ کو اس کا علم ہی نہ تھا تو پھر ملکہ قرآت وکتابت اس سے کیونکر متعلق ہو سکتا ہے۔ اور جس چیز کا وجود ہی نہ ہوا اسکے نہ جاننے والے کو جاہل کب کہ سکتے ہیں۔ اور یہی آخری فقرہ آپ کا بہترین

استدراک استنباط یا استدلال ہے جس پر آپکو بڑا فخر و ناز ہے اور جس پر ایک مدت تک زور دیتے رہے ہے
چنانچہ پرائیویٹ خط و کتابت میں بھی یہ مباحثہ شروع ہوا اور کہا کہ بہتر ہے کہ یہ بحث پرائیویٹ خطوط میں
طے کر لی جائے اور تصفیہ ہو جائے اور اسکے متعلق پہلا ہی صحیفہ جو ارسال فرمایا اس میں آپ نے یہ بھی تحریر
فرمایا کہ جو کچھ یہ لکھا جاتا ہے کہ جناب مولوی محسن علی شاہ صاحب نے ایک مرتبہ اپنے دلی کے وعظ میں
جناب ناصر الملۃ والدین پر سخت لہجے میں اعتراض کئے تھے اسلئے محض علمی مذاکرات کی صورت میں لکھا
جا رہا ہے نہ بحیثیت عقیدہ۔ لیکن جب اسکا جواب یہ دیا گیا کہ یہ مانا کہ آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے اور
کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت معصومین معاون علوم کی نسبت آپ ایسا عقیدہ رکھیں۔ لیکن خلاف عقیدہ
لکھکر اور پبلک اخبار میں چھاپ کر جو خلق خدا کو بدعقیدہ کیا جاتا ہے اس کا مظلمہ کس کی گردن پر ہوگا اور
گو آپ بدعقیدہ نہ سہی لیکن ان تحریرات کو دیکھکر جن بیچارے عوام کے عقاید خراب یا مشکوک و مشتبہ
ہونگے۔ جو عالم کے قول کو وحی منزل مانتے ہیں اور خود مادۂ تحقیق نہیں رکھتے۔ روز باز پرس اس کا
جوابدہ کون ہوگا۔ عقلا کے نزدیک یہ اس سے بہت بدتر ہے کہ انسان کا خود کا عقیدہ ناقص یا غلط ہو۔ اس
پر جناب میر صاحب موصوف سخت ناراض ہو گئے اور دوسرے صحیفے میں بہت کچھ لعن طعن کئے اور سخت
نویسی کا الزام لگایا۔ پھر بھی یہ سلسلہ خط و کتابت کئی مہینے تک جاری رہا۔ سب سے زیادہ زور آپ کا فتوے
کی عبارت کی تاویل پر تھا وہ یہ کہ۔ جناب ناصر الملۃ والدین نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ قبل بعثت
لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ نہ یہ کہ جاہل تھے اور لاعلمی اور جہل ایک نہیں ہے۔ اور نہ جاننے کو
جہالت لازم نہیں۔ باوجودیکہ آیت سے ثبوت دیا گیا کہ جہل و علم جمع نہیں ہو سکتے "ھل یستوی الذین
یعلمون والذین لا یعلمون" اور جناب امیر کا قول لکھا گیا کہ فرماتے ہیں۔ العلم نقیضہ الجھل"
پھر عقلی حیثیت سے بھی لکھا گیا کہ جہل اگرچہ نقیض صریح علم کی نہ کہلائے لیکن مساوی نقیض ضرور ہے
اور مساوی نقیض نقیض ہی ہے۔ جیسا کہ عدم و لاموجود۔ کیونکہ عدم و لاموجود مساوی ہیں۔ لیکن آپ
اسی پر جمع رہے اور ایک خط میں ثبوت بھی دیدیا کہ جناب علامہ حلی شرح تجرید میں جہل کو نقیض
علم نہیں فرماتے بلکہ ضدین فرماتے ہیں اور ارتفاع ضدین محال نہیں پس ہو سکتا ہے کہ انسان نہ عالم
ہو اور نہ جاہل۔ اس کو بھی دکھلایا گیا کہ یہ علامہ پر افتراء ہے وہ ہرگز جہل کو ضد علم نہیں فرماتے بلکہ جہل
مرکب کو ضد علم لکھا ہے اور وہ صحیح ہے اور وہ دراصل علم غلط ہے۔ کہ صاحب جہل مرکب اپنے جہل ہی کو
علم جانتا ہے اور خلاف واقع کو واقع سمجھتا ہے۔

؎ ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند — در جہل مرکب ابدالدھر بماند۔

اسی کا مفہوم ہے۔ لیکن آپ اپنے کہے پر مصر رہے اور آخر کار محض فضول و غیر نتیجہ سمجھ کر اس سلسلہ خط و کتابت کو بند کیا گیا اور مضامین کا مفصل جواب مارچ سنہ ۱۹۱۰ء کے الحق سے شروع کیا گیا اور چند ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اسکے ضمن میں خوب خوب مباحث حل ہوئے۔ طوالت کے خوف اور نیز سلسلے میں سے بعض خطوط کے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے اس لطیف بحث کے من و عن نقل نہ کرنے پر ہمیں بہت افسوس ہے۔ "وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ"

جناب مولوی سید شبیر حسین صاحب ممتاز الافاضل جونپوری ۔ ادر نصرۃ الناصر ۔

رسالۃ العوارف جو خاص جناب ناصر الملۃ والدین مولانا ناصر حسین صاحب مدظلہ کے فتاوی کے شائع کرنے اور آجکل کے مذاق کی موافق دار الاجتہاد کی خدمت کرنیکی غرض سے شائع ہوتا تھا اور اسی میں اول یہ مسئلہ مبحوث عنہا بھی شائع ہوا تھا۔ اُس کا فرض اوّلی ہے کہ اسکی تائید میں مضامین لکھے یا شائع کرے اور تا زیست اپنے لکھے کی لاج رکھے۔ چنانچہ اس نے اس فرض کو باحسن وجہ انجام و یا ان مضامین کے بعد جو باب اول کتاب میں بلفظہ درج کئے جا چکے ہیں ان مضامین کا سلسلہ بھی اسی میں جاری رہا جو دوبارہ جناب ممتاز الافاضل کی طرف سے اور بعد ازاں بنام مولوی سید صغیر حسین صاحب باسٹوی طالب العلم مدرسہ مشارع الشرائع (مدرسہ ناظمیہ) لکھنؤ اور شاگرد جناب ممتاز الافاضل صاحب اخبار اثنا عشری میں شائع ہوتے رہے اور العوارف بابت شوال المکرم سنہ ۱۳۲۷ھ جلد ۲ نمبر ۵ میں ایک مضمون بعنوان "نصرۃ الناصر" بڑے شد و مد سے شائع ہوا جناب مولوی شبیر حسین صاحب نے بھی بعنوان

؎ "آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم"

وہی لکھا جو دوسرے لکھ رہے تھے اور یہ بھی دعوے علی الاعلان کیا: "افسوس ہے جو شخص تمامی ہندوستان میں کوس "لمن الملک" بجانے کا متمنی ہو اور کل علماء ہند کو جہلا سے بدتر شمار کرتا ہو وہ ایسے مسئلہ مسلّمہ پر اعتراض کرے کہ جس کا مخالف علماء شیعہ میں کوئی بھی نظر نہ آئے کیونکہ جہانتک علماء اعلام و محققین فخام کے کلمات کا تتبع کیا جاتا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک یا مر مسلّم ہے کہ جناب سالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل بعثت ملکہ قرأت و کتابت حاصل نہ تھا اور اس میں بظاہر کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ ہاں بعد بعثت البتہ ملکہ مذکورہ میں اختلاف ہے" انتہی موضع الحاجۃ

اس مسلّمہ کا حال تو ناظرین معلوم کر چکے ہیں۔ کہ ہرگز علماء شیعہ میں مسلّم نہیں ہے بلکہ علماء اہل سنت میں بھی بالاتفاق مسلّم نہیں اور تفصیل اقوال کی خاتمہ کتاب میں آئیگی (انشاء اللہ تعالے)۔ یہ محض افتراء ہے اور غریب ہی۔ باقی جدید استدلال آپ کا یہ ہے کہ کتاب القاضی سے آپ نے

اس مسئلہ کا فیصلہ کیا ہے کہ بعض فقہاء نے حاکم اور قاضی کیلئے کتابت ضروری نہیں سمجھی۔ کیونکہ پیغمبر کو ناآتی
تھی تو قاضی کیلئے بھی ضروری نہیں اور اسکے تائید میں کلمات فقہاء رضوان اللہ علیہم کتاب مبسوط ۔
شیخ ابوجعفر طوسیؒ المتوفی ۴۶۰ھ ۔ کتاب شرائع الاسلام محققؒ المتوفی ۶۷۶ھ ۔
تحریر الاحکام علامہ المتوفی ۷۲۶ھ ۔ سرائر جناب ابن ادریسؒ المتوفی ۵۹۷ھ و
مسالک شہید ثانیؒ المتوفی ۹۶۶ھ وغیرہ سے نقل کئے ہیں ان
کلمات یا ان فقہاء کی علو شان میں تو کسی کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن فاضل موصوف سے یہ کہا جا
سکتا ہے ۔ کہ مقام استدلال و احتجاج میں یہ کلمات ہرگز سند نہیں۔ کیونکہ انھوں نے جو کتابت قاضی
کیلئے ضروری نہیں سمجھی سو اس بنا پر کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے لئے ضروری نہیں سمجھی اور یہ اول نزاع
ہے پس جب تک کہ یہ مسئلہ بدلائل طے نہ ہو جائے کہ کتابت پیغمبر کیلئے ضروری ہے یا نہیں اس سے
استدلال کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ استدلال خود اسی استدلال کیلئے کیونکر سند ہو سکتا ہے اس سے تو
دور لازم آئیگا۔ انھوں نے اپنے خیال کے موافق ایسا کیا ہے اور مقام استدلال میں وہ ہی شے سند
ہو سکتی ہے جو مستند بدلائل ہو ان چند اقوال میں سے کوئی ہمارے لئے سند نہیں ۔

ہاں ان سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ جناب ممتاز الافاضل سید شبیر حسین صاحب نے یہ کتابیں
دیکھیں یا انکے نام جانتے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جناب موصوف نے یہ خیال نہیں فرمایا۔ کہ
مسئلہ نبوت اصول دین سے ہے ۔ یہ بحث بحث علم کلام اور علم کلام میں مسلّم متکلم و حکیم متشرع کا
قول سند ہو سکتا ہے نہ فقیہ کا۔ کیا جناب موصوف تبلا سکتے ہیں کہ کہیں علامہ نے شرح تجرید میں
یا دیگر متکلمین نے اپنی کتب کلامیہ میں ان فقہاء عظام کے قول نقل کئے ہیں یا باوجود جناب خواجہ
نصیر الدین طوسیؒ کے کامل فلسفی متکلم بلکہ معلم ثانی اور عقل حادی عشر راس المحققین کہلانیکے کسی فقہ کی کتاب
میں ان کا قول لایا جاتا ہے ۔ ہر یکے را بہر کارے ساختند۔ علم ایک اضافی شے ہے اور عالم
علی الاطلاق کوئی نہیں کوئی کسی علم میں کامل ہوتا ہے اور کوئی کسی میں۔ کسی کو ایک علم آتا ہے اور کسی کو
دو اور کسی کو دس اور یہ ضروری نہیں جو عالم کامل حکیم و متکلم ہے ۔ وہ فقیہ بھی ویسا ہی ہو اور اسی طرح
ایک فقیہ کیلئے ضروری نہیں کہ وہ کلام و فلسفہ یا حدیث و تفسیر میں بھی ویسا ہی کامل ہو۔ کوئی مفسر
ہوتا ہے اور کوئی محدث ۔ تو کوئی فقیہ اور کوئی متکلم پس قول فقیہ فقہ میں سند مانا جا سکتا ہے نہ کلام
میں ۔ کلام میں متکلم اور حکیم متشرع کا قول چاہیئے اور پھر مقام استدلال و احتجاج و بحث و مباحثہ
کی صورت میں محض قول عالم سند نہیں ہو سکتا جبتک مدلل و مبرھن بدلائل و براہین نہ ہو ۔

پھر یہ کلمات کیونکہ ہمارے لئے سند ہوسکتے ہیں۔ یہ تو اول نزاع نہ ہے کہ حضرتؐ میں ملکہ تھا یا نہیں۔ یا ضروری ہے یا نہیں! اسلئے جناب موصوف نے ہمارے نزدیک فضول ہی زحمت اٹھائی مگر حق عقیدتمندی و وفاداری ادا ہوگیا کاش کہ آنحضرتؐ اور اُنکے اوصیاءؑ کا بھی کچھ حق سمجھا جاتا اور اُنکی تائید میں کچھ لکھتے لیکن ان سے ایسی اُمید۔ خیال است و محال است۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔ اور تائید جناب مفتی ناقص رہی۔ کیونکہ جو بزرگوار عدم ضرورت کتابت قاضی پر عدم کتابت پیغمبرؐ سے استدلال لاتے ہیں، انکے کلام کا تتبع کرنے سے معلوم ہوگیا کہ وہ بعد بعثت بھی اس کی نفی کرتے ہیں اور بعد بعثت ضروری نہیں جانتے اور بلا اسکے انکار است۔ لال قاضی کے متعلق صحیح ہو ہی نہیں سکتا اور جناب مفتی صاحب بعد بعثت ضروری جانتے ہیں پس یہ جناب مولانا کی تائید نہ ہوئی بلکہ تردید ہوئی۔

جناب اڈیٹر رسالہ شیعہ اور نصرۃ الناصر۔

رسالہ شیعہ کے معزز اڈیٹر نے بھی اس فرض سے تغافل نہیں کیا۔ اور تحریر فرمادیا کہ قرأت و کتابت کی بحث جو ایک مدت سے جاری تھی جناب ممتاز العلماء سید شبیر حسین صاحب نے اس کا فیصلہ العوارف میں کردیا۔ جناب فاضل موصوف کے فیصلے کا حال اور انکے استدلال کی اصلیت ناظرین ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں اسلئے یہاں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ اڈیٹر صاحب نے لکھا حسن اعتقاد کا مقتضا ہے اور بس۔

باب سوم

فصل

اقوال جناب علامہ کنتوری مدظلہ العالی

جناب مولانا غلام حسنین صاحب کنتوری مدظلہ اور اس بحث کی اہمیت

ہم بعض اسباب طوالت بحث کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن بہت بڑا سبب اور سب سے بڑا سبب اور نہایت بدنما سبب طوالت بحث قرأت و کتابت ذاتِ قدس صفات جناب علامہ کنتوری مدظلہ ہے۔ آپنے ایک مدت تک اس بحث میں حصہ نہ لیا۔ مگر دل مضطرب و بے قرار تھا۔ بار بار ناظم صاحب کو

بحث کے روک دینے کی بابت لکھا جاتا تھا۔ اور ایک خط میں آپ نے ناصر الملۃ والدین مدظلہ کی
قرابت جتائی ہے۔ اس پیش خیمہ یا مقدمہ تھا آپ کی اس نیک نیتی اور خود غرضی کا جس کا اظہار
بعد ازاں آپ کی تقریرات و تحریرات مطبوعہ و غیر مطبوعہ سے ہوا۔ چونکہ آپ سب میں تجربہ کار
خشک و تر چشیدہ، سرد و گرم دیدہ اور جدید پالٹیکس کے دلدادہ ہیں۔ اور اپنا اکثر ہم عصر علماء کو آپ
(اگرچہ وہ آپ کو گروہ علماء میں شمار نہ کریں) اپنے مقابلہ میں ان پڑھ یا لڑکے کہا کرتے ہیں۔
اس بحث میں آپ نے اپنی تجربہ کاری، سیاست دانی اور جہاندیدگی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔
جو کسی کو نہ سوجھی تھی۔ وہ آپ کو سوجھی۔ اور جو کوئی نہ کر سکتا۔ وہ آپ نے کر دیا۔ لیکن بہت برے
طریقے اور نہایت قبیح صورت سے۔ جس کو ایک عالم متدین کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ ہاں
دنیادار اہل دول شاید اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوں۔ باوجود سن رسیدہ اور تجربہ کار
ہونے کے آپ نے سخت ٹھوکر کھائی۔ اس لئے کہ اگرچہ اس صورت میں فی الجملہ کامیابی
ہوئی۔ لیکن اکثر لوگوں پر آپ کی بدنیتی کا حال کھل گیا۔ اور معلوم ہو گیا۔ کہ بحث علمی اور دینی
حیثیت میں نہیں کی جا رہی۔ بلکہ دین کی تباہی اور بربادی کے لئے ذاتیات سے کام لیا جا
رہا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ آپکی اس روش اور نیت سے بعض دیگر علماء بھی بدظن یا مشتبہ
ہو گئے۔ جن کی ذات ستودہ صفات ایسے امور سے مبرّا و منزّہ ہے۔ آپ کے خطوط
دیکھنے سے معلوم ہو گا۔ کہ آپ نے مسئلہ استفتاء کو کیسی پیچیدگی سے حل کیا ہے۔ اخبار ناظم الہند
کو دوستانہ لکھتے رہے۔ کچھ ان کی تعریف کر دی کچھ سرکار علامہ حائری دام ظلہ العالی کی مدح سرائی
فرما دی۔ کچھ ان سے اخلاص ظاہر کر دیا۔ وہ ماضی میں اپنی رشتہ داری جناب ناصر الملۃ سے جتا
دی۔ پھر زیادہ مسکہ لگانا شروع کیا۔ تو کبھی کبھی کچھ لکھتا۔ مگر رشتہ کا خیال ہے۔ ہر خط میں
رشتے کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ رشتہ بھی آئندہ فتنہ ثابت ہونے والا تھا۔ بعد ازاں مضامین
ناظم الہند کو جناب سرکار علامہ حائری کی طرف منسوب کر کے ان کی دینی زبان سے تعریف
کی گئی۔ پھر رائے دی گئی۔ کہ مباحثہ پرائیویٹ خطوط میں طے ہو جائے۔ پھر فرمایا۔ علیحدہ
رسالہ کی صورت میں چھپے۔ چونکہ ان تدابیر سے کوئی بھی کارگر نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ سلسلہ اعتراضات
دوسری طرف سے شروع تھا۔ اور ناظم الہند اس صورت میں مجیب تھا۔ اور اس طرف غالباً آپ نے
ایسی کوشش نہیں کی۔ اس لئے آپ نے تھوڑے تھوڑے کھلے الفاظ میں جو کہ پرائیویٹ خطوط میں کھل کر
لکھنا شروع کیا۔ کہ ناظم الہند میں جو مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ غالیوں کے اعتقادات ہیں۔

ہرگز ان کو نہ دیکھنا۔ پھر تہافت میں غلو کا ذکر کیا گیا۔ غالیوں کی مذمت کی گئی۔ اور مشہور رباعی جس کا آخری مصرع یہ ہے۔ "آئی تھی یہ آواز کہ گویا تم تھے" کو غلو اور غالیوں کے اعتقادات میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ بخیال آپ کے ہندوستان کے شیعہ شعراء کا کلام مدح عمرانی سید الشہدا سنتے سنتے مائل بہ غلو یا غالی ہو گئے ہیں۔ ان امور کی طرف لوگوں نے چنداں توجہ نہ کی۔ اور یہ چال بھی فی الجملہ کارگر نہ ہوئی۔ اور لوگ مضامین دیکھتے رہے۔ اس کے بعد لوگوں کے اضلال وتفضیل اور فرق ضالہ مضلہ کا ذکر شروع کیا۔ پارسی آریہ بابی کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا۔ بابی فرقہ ہندوستان میں آگیا۔ اور وہ ایسا ہوتا ہے۔ اس کے افراد بڑے عالم ہوتے ہیں بڑے فلسفی ہوتے ہیں۔ بحث میں کبھی کو عہدہ برآ نہیں ہونے دیتے۔ بمبئی میں بابی لاج بنا ہے۔ اس کا پریذیڈنٹ علمائے لکھنؤ سے بحث کرنے آیا تھا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ اور آخر شروع کر دیا۔ کہ مسئلہ قرأت وکتابت بھی اسی اضلال وتفضیل کی وجہ سے چھیڑا گیا ہے۔ اور یہ بابی کی طرف سے ہے۔ اور ان مضامین کو ہرگز نہ دیکھنا۔ یہاں تک کہ اہل لاہور اور اڈیٹر ناظم الہند کو بھی نصیحتاً نہ لکھا۔ کہ دیکھو۔ دین کا معاملہ ہے۔ سوچ سمجھ کے قدم دھرنا ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ علامہ سرسوی بابی ہے۔ اور ہم اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔ دیکھو۔ تم ان کے دام میں نہ آنا۔ پھر کھلم کھلا لکھنا اور کہنا شروع کر دیا۔ اور اس کا نتیجہ وہی ہوا۔ جو ہونا تھا۔ اور جو لوگ دیکھ رہے ہیں +

ہم یہاں صرف بیان صدق کی تصدیق کے واسطے آپ کے چند خطوط سلسلے وار درج کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین بنظر انصاف دیکھیں۔ اور اصل نتیجے تک پہنچنے میں انہیں دقت نہ ہو۔ وھی ھٰذا:۔

پہلا خط موصولہ یکم مئی ۱۹۰۹ء مورخہ ۶ صفر ۱۳۲۷ھ از لاوڑ ضلع میرٹھ۔ بنام جناب اڈیٹر ناظم الہند لاہور۔

عزیزی حرسہ اللہ بعد سلام ادعائے کہ تمکو معلوم ہے۔ جس قدر محبت مجھے تم سے ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو ضرور میری آج کی تحریر سے تم ناراض نہ ہو گے + پہلی شکایت مجھے یہ ہے کہ تم نے جناب رسول اور جناب امیر المومنین علیہما السلام کی تعلیم خط اور کتابت کا مسئلہ چھیڑا۔ چونکہ نور چشم مولوی ناصر حسین صاحب سے مجھ سے قرابت ہے میں نے تمکو اس وجہ سے نہ روکا۔ شاید کہ تمکو قرابت کا خیال ہو۔ اور آخر کار

اس مسئلہ میں طول ہوا۔ اور شیعہ گروہ میں آپس میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہوا اور شاید کہ یہ جھگڑا ہر طرف شم
اور محض نزاع لفظی ہے۔ جس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اور ایسے زمانہ میں کہ اسلام پر غیر اقوام
کے حملے ہو رہے ہیں۔ اس بحث میں بیجا بحث کا ہرگز موقع نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ دشمنان
دین کا استہزا بڑھے۔ اور آپس میں طول کلام سے بدنامی ہو + غلام حسنین۔

اس خط میں صرف بحث پر افسوس اور اپنے رشتے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس خط میں کچھ
پرائیویٹ امور بھی تھے۔ جن کو ترک کیا گیا ہے +

دوسرا خط موصولہ ۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء بنام اڈیٹر صاحب ناظم الہند لاہور۔

سلمکم اللہ۔ بعد سلام اور دعائے ترقی اے دارین۔ چونکہ مجھے تم سے دلی محبت ہے۔
اور تم بھی فہمیدہ سنجیدہ سرد و گرم زمانہ چشیدہ ہو۔ آغاز اور انجام کو خوب سمجھتے ہو۔ لہذا یہ جھگڑا جو دوسرا
جو العوارف اور ممتاز الافاضل سے چھیڑا گیا ہے۔ اور ضرور حق بجانب تمہارے
ہے۔ کہ سنگ اندازی کو کلوخ اندازی سے جواب تم نے دیا ہے۔ مگر پھر بھی
تم کریم ابن کریم کے پوتے پڑدتے ہو۔ اگر صبر کرد ستو یہ صفت بالعن جد تمہاری ہے +
میں نے اڈیٹر اثنا عشری سے جنگ و جدل کرنے سے تم کو روکا تھا۔ اور تم نے اس کو
مان لیا جس کا احسان مجھ پر نہیں بلکہ مذہب پر ہوا۔ اسی طرح آج میں اس جھگڑے سے پھر
روکتا ہوں۔ اور میری غرض مولوی سید ناصر حسین صاحب سلمہ اللہ کی طرفداری کی نہیں ہے۔
اور نہ پاس قرابت۔ بلکہ دین اور مذہب کی حرمت کا بچانا۔ گھوڑے گھوڑے لڑیں اور موچی
کا زین ٹوٹے + میں جناب علامہ ہروی بالقابہ کو ضرور لکھتا۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ میری
گزارش کو وہ ضرور قبول فرماتے۔ مگر چونکہ میری قرابت مولوی ناصر حسین صاحب سے
معلوم ہے لہذا مجھے شرم آتی ہے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ میری تحریر محمول خالصاً لوجہ اللہ دین
پر نہ ہو +

مسئلہ متنازعہ میں نزاع فقط لفظی تھے۔ مگر اب تو حقیقی سے بڑھ گئے۔ اور ابھی
کیا ہے۔ بڑھنے کی امید روز افزوں ہے +

میرے خیال میں اگر جانبین کو مناظرہ (نہ کہ مجادلہ) منظور ہے۔ تو اخبارات اور رسائل
میں اس توتو میں میں کو ترک فرما کر جو طرز قدیم علمائے مصلحین کا ہے باہم درشتی کو چھوڑ کر
اپنے اپنے دلائل کو لکھیں۔ اور اجتہادی اختلاف (نہ ملی الغت) کو ظاہر فرمائیں۔ یہ احسن ہے +

مخالفین کو کس قدر موقع استہزا اور شماتت کا ملتا ہے۔ جب دو عالم شیعہ کسی مسئلہ میں باہم
نزاع کرتے ہیں۔ افسوس ہے تو یہی ہے۔ اور کیا لکھوں۔ میں تو اصل مسئلہ کو لکھنے لگا۔ غرض
میری تو الغرض سے التجا کرنے کی تھی۔

رازِ مخفی۔ اس کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ مولوی شریف حسین صاحب ہمارے تلمیذ جگراںوی
ذرا مظفر علی خاں صاحب صدر انجمن جعفریہ سے پوچھو۔ کہ میری نسبت کیسے کیسے سخت الفاظ
انہوں نے لکھے۔ کہ آخر کو مظفر علی خاں صاحب کو تاب ضبط نہ رہی۔ اور خط و کتابت اُن سے
بند کر دی۔ اور میرے نام پر خاص اُنکی تحریرات آچکی ہیں۔ مگر میں نے صبر سے کام لیا۔ اور
کچھ بھی جواب نہ دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ناظم الہند میں جب فہرست ابواب حسینیہ قرانیہ چھپی۔ پرسوں اُنکا
خط آیا۔ کہ بحار جلد پنجم میں آپکی تائید رد شناعت خودکشی کی موجود ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو میں لکھ کر
روانہ کر دوں۔ کیونکہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ آپکی تائید میں لکھا کرتا ہوں اور بھیجا کرتا ہوں۔

یہ سپید جھوٹ ہے قابل شنید ہے۔ اور غرض اس سے بجز تملق اور خودستائی کے اور کیا
ہے۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ انہوں نے کبھی میری تائید کسی قسم کی فرمائی ہو۔ اور دعوے تائید
دوامی کا ہے۔ ہاں یہ تائید ضرور کی ہے۔ کہ مجھے اکذب الکاذبین اور سر دفتر حاسدین ضرور
لکھا ہے۔ فعفہ جمیل۔ چونکہ میں اسکو اپنا لخت جگر جانتا ہوں۔ آج یہ حرف شکایت زبان
سے نکل گیا۔ مگر اس کو افشا نہ کرنا۔ دماغ پر چڑھ گئے ہیں چل چل کے۔

جناب علامہ ہردی صاحب بالقابہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام اور تسلیم کے
بعد اگر مناسب ہو۔ تو اس مصالحت آمیز گزارش کو ظاہر کرنا۔ میں نے علماء لکھنؤ کو بھی اسی قسم کی
تحریر بھیجی ہے۔ واصلحوا ذات بینکم پر لحاظ کر کے یہ میں نہیں چاہتا۔ کہ جناب علامہ
ہردی کی محققانہ تحریر مخفی کر دی جائے۔ بلکہ پہلے بطور رسالہ قلمی کے بحرینی صاحب اور ممتاز الافاضل
کے پاس روانہ ہو۔ اور اس کے بعد چھپے۔ روش جو مناسب ہو۔ حسینیہ قرانیہ کا چندہ سادات نے کیا
کہوں افسوس ہے۔ لاہور کے باشندہ ایک سنی تحصیلدار ضلع کا۔ نے للہ ۶۴ روپے دئیے۔

میں بغرض علاج رانی صاحبہ آیا تھا۔ میرے آنے سے پہلے اُن کو شفا ہو گئی۔ اب ۷ ربیع ۱
واپسی ہو گی۔ انشاء اللہ۔ پرچہ اصلاح اور شیعہ نے کس قدر میرا فسانہ اڑایا۔ مگر صبر کا نتیجہ یہی ہوا کہ
سکوت کر گئے۔ فقط حسنین

اس خط میں تصریح کی گئی ہے۔ کہ اڈیٹر الحائری اور ممتاز الافاضل کے مقابل حق بجانب اڈیٹر

ناظم الہند ہے۔ اور ناظم الہند نے سنگ اندازی کا کلوخ اندازی سے جواب دیا ہے۔ یہ بھی اس خط میں منکشف ہے۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ علامہ ہروی کی محققانہ تحریر مخفی کر دی جائے یعنی ضرور شائع ہونی چاہئے جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ تحریر ضرور ایسی ہے۔ جس کا از روے دیانت پبلک میں شائع ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ضرور مطابق عقیدہ حقہ ہے۔ ورنہ اگر تحریر باطل خلاف حق اور موافق عقائد بابیہ ہوتی۔ تو ہرگز علامہ صاحب جیسا مدین سے لکھنے والا اس کی اشاعت پر مصر نہ ہوتا۔ اور اگر باوجود باطل سمجھنے کے اس کی اشاعت پر زور دیا ہے۔ تو خود اضلال کے موجب و محرک ہیں۔

تیسرا خط۔ مورخہ ۵ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ موصولہ ۲۵ جولائی ۱۹۰۹ء بنام اڈیٹر ناظم الہند:۔

عزیز من سلمہ اللہ بعد سلام کے چونکہ مجھے تم پر دعوے ہے۔ اور تم بھی مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اسی نظر سے مجھے امید ہے۔ کہ تم ضرور میری اس نیک صلاح پر کاربند ہو گے۔ دیکھو عزیز من۔ تمہاری نیت یہ ہے۔ کہ شیعہ اور سنی میں اتفاق پیدا ہو جائے۔ پھر شیعہ شیعہ اور خاص علماء شیعہ میں جوتی پیزار۔ کیونکر تمکو پسند ہو گی۔ مجھے امید تھی۔ کہ حضرات لکھنؤ میری تجویز کو پسند کر کے اس جھگڑے کو یا تو بالکل چھوڑ دینگے۔ یا پنج کی تحریر پر اسکو منحصر کر دینگے مگر اثنا عشری اخبار۔ اسی ہفتے کا پڑھنے سے یہ امید میری یاس سے بدل گئی۔ افسوس میں جناب علامہ ہروی بالقاب سے بھی تعجب کرتا ہوں۔ کہ ان کو دعوے صلح کل ہونے کا ہے۔ اور پھر آپس میں ایسے جنگ و جدل کیونکر ان کو پسند ہوئے۔ اگر وہی جناب میری التجا کو قبول کریں جب بھی یہ فتنہ فرو ہو جائے۔ دیکھو مجھ سے ایک طالب علم مولوی فاضل مسمی محمد سبطین نے جو تمہارے پاس رہتے ہیں مسئلہ صفات باری میں زور سے بحث کی جب میں نے دیکھا۔ کہ اب مجادلہ کی نوبت آئیگی۔ اپنا مجروح اور ملزم ہونا گوارا کیا۔ اور اس عزیز کو ناراض نہ کیا۔ اس لئے کہ مجھے جس قدر دو حرف معلوم ہیں۔ ایک نوخیز طالب علم سے بحث میں مغلوب ہونا کچھ بدنام نہیں کر سکتا ہے۔ میں نے لکھنؤ کا قیام ۵ برس سے ترک کر دیا۔ اس وجہ سے کہ میں ذرا سی بات پر لڑنا جھگڑنا پسند نہیں کرتا۔ مجھ پر اخبارات میں کیسے کیسے حملے ہوئے۔ مگر بجز سکوت کے کچھ نہ بولا جس کو تم خوب جانتے ہو۔ خلاصہ میری تحریر کا یہ ہے۔ کہ اگر اس مسئلہ میں دونوں فریق کو ضرور لڑنا ہے۔

اور اگرچہ محض بے سود ہے۔ تو خط وکتابت باہمی سے طے کریں۔ مخالفین کو قہقہہ زنی کا موقع نہ دیں۔ میرا اسلام بخدمت جملہ مومنین کے پہنچے۔ مکرر یہ ہے۔ کہ اگر نور چشم مولوی ناصر حسین صاحب سے یہ مناظرہ نہ ہوتا۔ تو میں ضرور حکم بنکر اپنی رائے ظاہر کرتا۔ مگر چونکہ قرابت کی وجہ سے لوگ مجھ کو قدیم چشم کا طرفدار کہیں گے۔ لہذا مجھ سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ اگر تمہاری اور جناب علامہ ہروی صاحب کی رائے ہو۔ تو اب جلد اس نزاع کو طے کردو۔ غلام حسنین۔

اس خط میں چند باتیں نوٹ کے قابل ہیں۔ اول تو یہی رشتہ۔ اور یہ کہ اس رشتے کی وجہ سے حکم بننا نہیں چاہتے۔ ورنہ حکم بن کر ضرور فیصلہ دیتے۔ مگر ہمارا خیال ہے۔ کہ فریقین میں سے کسی فریق نے بھی آپ سے حکم بننے کی خواہش نہیں کی۔ پھر نہ معلوم آپ حکم کیونکر بنتے۔ اور کیونکر فریقین آپ کے حکم کو حکم ناطق سمجھتے اور اس پر کاربند ہو جاتے۔ دوم بحث **صفات باری** میں اپنے مغلوب و مجوج ہو جانے اور مباحثہ کے مجادلہ تک پہنچ جانے کا ذکر یہ تو ہم کہہ ہی نہیں سکتے۔ کہ ایسے دیندار اور عالم دین جھوٹ بول سکتے ہیں۔ البتہ کبر سنی کی وجہ سے سہو و نسیان کا گمان ہو سکتا ہے۔ ورنہ یاد نہیں آتا۔ کہ مباحثہ کب مجادلہ بنا تھا۔ صرف اسی قدر معلوم ہے۔ کہ اسی سال انجمن جعفریہ مظفر نگر کے سالانہ جلسے کے موقع پر جناب مظفر نگر میں میر بشارت حسین صاحب وکیل مرحوم مغفور کی کوٹھی پر فروکش تھے۔ اور صفات باری کی بابت طالبعلمانہ سوال کیا گیا تھا۔ مگر تشفی نہ ہوئی تھی۔ میر بشارت حسین صاحب مرحوم اور مولوی صاحب کے شاگرد یا دوساز سید ذاکر حسین اور شاید ایک کوئی اور صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ غالباً سید محمود حیات سلمہ اسد تیس ہیڑہ بھی تھے۔ یہ گفتگو چند منٹ کی تھی۔ شب کا وقت تھا۔ اور طول و مجادلہ کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت تک جناب موصوف بہترین محققین سمجھے جاتے تھے۔ اور کسی قسم کی بدگمانی آپ کی نسبت اس وقت تک پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہی پرانی عقیدتمندی قائم تھی۔ لہذا جناب وکیل صاحب مرحوم مع سائل یا معترض باہر آگئے۔ اور شبہ کا جواب پوچھا۔ اور ان کا اطمینان ہو گیا۔ اگر مرحوم زندہ ہوتے۔ تو ضرور شہادت دیتے۔ بہر حال اب معلوم ہوا۔ کہ آپ کا مغلوب و مجوج ہونا محض عزیز معترض کی دلجوئی کی غرض سے تھا۔ سو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

یہاں پر ایک امر دوم بھی قابل ذکر ہے۔ کہ اس وقت بحث قرأت و کتابت شروع ہو چکی تھی۔ جناب ممتاز الافاضل کا مشمولہ کلام با تمہیدات "اثنا عشری" میں چھپ چکا تھا۔ اور جناب مولوی سید

سبط حسن صاحب ممتاز الافاضل وہاں تشریف فرما تھے۔ جناب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب مدظلہ العالی اور جناب عمدۃ الحکماء مولانا سید ظہور حسین صاحب اور جناب سلطان الواعظین مولانا سید محمد حسین صاحب محدث مدظلہ بھی تشریف فرمائے مظفرنگر تھے۔ بنابریں صفات ائمہ علیہم السلام اور اوراس مسئلہ کا تذکرہ جناب کنتوری مدظلہ سے کیا گیا تھا۔ اور بعد مختصر گفتگو آپ نے فرمایا کہ اہل ایران ہمیشہ اہل ہند کو تفریط کا الزام دیتے رہے ہیں۔ اور اہل ہند اُن کو افراط کا۔" اور مسئلہ مذکورہ میں بعد معمولی گفتگو تسلیم فرمایا۔ "تو بیچ کہتا ہے۔ اور حق یہی ہے"۔ پھر وہ حدیثیں ائمہ علیہم السلام کی ابتدائے عمر میں عالم علم لدنی ہونے کی بابت ذکر فرمائیں۔ ایک حدیث متعلق علم جناب امام حسن علیہ السلام جس کا بخاری اور اس کی شرح وغیرہ دیگر کتب اہل سنت میں بھی ذکر ہے۔ دوسری حدیث حذیفہ یمانی متعلق علم جناب امام حسین علیہ السلام۔ لیکن یہاں جناب علامہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ آئندہ اس کے برخلاف اور اپنے عقیدہ سابقہ کے برعکس لکھنا تھا۔ چنانچہ تحریرات سے ظاہر ہے۔

اس کے بعد ایک خط اور آیا تھا جس میں آپ نے اسعد مذکور رشتہ داری وغیرہ کے بعد تحریر فرمایا تھا۔ کہ میں ہی جانتا ہوں۔ کہ یہ تحریرات کس پایہ کی ہیں۔ اور ان کی داد میں ہی دے سکتا ہوں۔ اور یہ ضرور اسی بزرگوار کی ہیں۔ جن کو میں علامہ ہروی کہتا ہوں۔ کیونکہ ہندوستان میں الٰہیات یہاں تک پڑھائے ہی نہیں جاتے۔ وہ خط یہ ہے۔ چوتھا خط ٢٧ھ/٩-٤ صادق المطابع میرٹھ بنام مولوی محسن علی صاحب

مولوی صاحب مکرم برادران زید مجدہ۔ بعد سلام و تحیہ چونکہ میں اڑھائی ماہ سے مریض تھا اس لئے جو مطارحات اور مناجات آپ سے اور علماء سے لکھنؤ سے ہو رہے ہیں۔ اُن کے پڑھنے سے معذور تھا۔ اب مجھے ذرا ہوش آیا۔ اور اس ہفتہ کا پرچہ ناظم الہند پڑھ سکا۔ جس میں آپ کے قلم کی جولانی یہاں تک بڑھی ہے۔ کہ کل علماء لکھنؤ کو منکر ایمان جناب رسول اکرم کہتے ہیں۔ یہ فقرہ البتہ عام ناگواری پیدا کرنے والا ہے۔ وہ مجھے چونکہ جناب علامہ ہروی سے غائبانہ ربط ہے۔ وہ بقول ایڈیٹر ناظم الشیعہ بھی مجھ سے دلخوش رہتے ہیں۔ اور وہ تحریر انکی انجمن جعفریہ کراچی والی چھپی۔ اس میں ابھی میری نسبت اظہار محبت ہی درج تھا۔ اور دوسری طرف مولوی ناصر حسین صاحب سے مجھے حسبی قرابت ہے۔ وہ بھی آپکو معلوم ہے۔ لہذا میں نے کسی طرف کی تائید خواہ رد کا خیال نہیں کیا بلکہ ناظم الہند کو

بار بار لکھا۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ جناب علامہ سرسوی سے عرض کردیں۔ کہ یہ مناظرہ باہمی خط و کتابت سے
ہو۔ اخبارات میں اس کی اشاعت نہ کی جائے۔ اور حضرات لکھنؤ کو بھی لکھا۔ مگر کسی نے کبھی نہ مانا۔ اور طول
ہوگیا۔ خیر۔ مجھے آپ سے چونکہ غائبانہ ارتباط ہے۔ اور کسی قسم کی رنجش کبھی نہیں ہوئی۔ بایں لحاظ آج میں
آپکو لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اپنے قلم کی جولانی اس قدر نہ کیجیے۔ کہ تمام علمائے لکھنؤ کو کافر اور
مرتد کردیجیے۔ حالانکہ آپ کا مخاطب خاص بھی اس عقیدہ باطلہ کا منکر ہے۔ میں آپ کو
یہ بھی بتلا دیتا ہوں۔ کہ مولوی عنایت علی صاحب مرحوم نے جو علمائے لکھنؤ کا خاکہ اڑایا۔ اور ان کی
نسبت زبان درازی کو ہی اپنا شعار گردانا تھا۔ اور ایک سو پانچ مہریں مجتہدین عراق کی اپنے اجازہ اجتہاد
پر دکھلاتے تھے۔ آخر کار ہم سب نے ایک محضر بنا کر مجتہدین اور علمائے عراق سے انکے مبلغ علم اور
عمل کی ایسی کیفیت اہل ہند پر ثابت کردی جس پر مولوی محمد کاظم مرحوم مدۃ العمر ہم سے ناراض رہے
باشندہ وہی علمائے عراق ہیں اور وہی میں ہوں۔ از طہران تا نجف و از مقامات سرحدی ہندوستان تا سندھ
و پنجاب۔ میں اطفال نو خیز لکھنؤ کی طرح غافل نہیں ہوں۔ اور کشفی اور بابی اور کاظمی الحسنی
مقلدان کاظم رشتی سب کو بخوبی پہچانتا ہوں۔ علامہ موصوف سے جو جو سوانح عظیمہ پیش آئے
جس سب کی مجھے خبر ہے۔ چونکہ انجام ہر ایک مناظرہ اور نزاع کا محاکمہ پر ہونا بہت ہی اچھی بات
ہے۔ ورنہ یہ نزاع ہمیشہ بڑھتی جائیگی۔ اور کوئی نتیجہ اس سے نہ ہوگا۔ بجز اس کے فرقہ ہائے
باطلہ کو جائے استہزاء اور شیعوں پر تمسخر کرنے کا البتہ نتیجہ ملیگا۔ اور مل رہا ہے۔ اور مسئلہ متنازعہ میں
فقط نزاع لفظی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہاں اس کے پردہ میں عقاید بابی اور مرجیہ اور غلات اور علی اللہی کا
اظہار ضرور ہو جائیگا۔ اور کچھ نہیں۔ اور ہو رہا ہے۔ پھر چونکہ اب دقیق مسائل فلسفیہ کو بھی داخل کردیا
ہے۔ لہذا عوام بلکہ متوسطین دو نو اس مناظرہ کے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اور طبقہ عالیہ کو بھی
سے کوئی فائدہ جدیدہ نہیں۔ بجز اس کے کہ محرر مضمون کی قابلیت کا اقرار کرے۔ اب میں اس خط کو سلام
مسنون اور دعائے صحت و سلامتی پر آپکے ختم کرتا ہوں۔ اور دوستانہ درخواست کا جواب بھی فوراً
چاہتا ہوں ÷ مکرر یہ کہ ناظم الہند کی تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ جناب حائری نے بھی اس مسئلہ پر قلم اٹھایا
ہے۔ اور اپنی قوت اجتہادی کا اظہار اور علمائے لکھنؤ کی مذمت میں آپکے معین ہوئے۔ میں
یہی لکھتا ہوں۔ کہ جو مطالب عالیہ اس مضمون میں آپ کی طرف منسوب ہو کر درج ہوئے۔ ہندوستان
میں تو الہیات کا اس قدر درس کہیں نہیں ہے۔ اور کون شخص تعلیم یافتہ ہندوستان کے مطلب کا اس کا
مدعی ہو سکتا ہے۔ کہ شفا اور اشارات اور محاکمات رازی و دیگر کتب فلسفہ کو آنکھ سے کبھی دیکھا ہو۔

زیادہ نہیں عماد الاسلام کی کتاب توحید اور عدل اور نبوت کو پڑھ لیا ہو۔ یا الیقین علامہؒ کے دلائل منطقیہ کو بخوبی سمجھ سکے اور فن برہان اور جدل اور سفسطہ اور خطابت اور شعریات کو سمجھ سکے سوائے اُسی بزرگ کے جس کو میں علامہ ہروی سے ملقب کرتا ہوں صحیح اور غلط استدلال سے درگذر کر کے مجھے مادہ دینی ضرور ہے۔ کہ ایسے مضامین مشتہر ہوتے ہیں جن سے مجھے افسوس ہے۔ گو نزاع لفظی سے بڑھ کر نزاع معنوی بھی ہو گئے۔ اور ہمیشہ دونوں فریق ہوئے۔ والسلام۔ فقط + غلام حسنین۔

اس کے بعد آپ کو اپنی ان تدابیر میں مایوسی ہو گئی۔ اور آخر کار اس مکر کا اظہار ہوا۔ جس کو مدت سے دل میں لئے ہوئے اور دبائے ہوئے تھے۔ یہاں آ کر کھل گئے۔ اور ذیل کا خط لکھا۔ پانچواں

خط۔ موصولہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۹ء بنام اڈیٹر ناظم الہند لاہور ۲۷/۳۰-۹ عبداللہ پور

عزیزی سلمہ اللہ۔ بعد سلام تم اگر میرے سو خطوں کا جواب نہ دو گے۔ تب بھی میں اپنی محبت جو تم سے ہے اُس کو کم نہ کرونگا۔ محبت ہر دینی اور قومی دو طرح کی ہے۔ اور تم سید ہونے کی وجہ سے زیادہ تر اس کے مستحق ہو۔ کہ اپنے اجداد طاہرین کے دین کے دشمن کو ضرور پہچان لو۔ اور پہچاننے کے بعد جو تم سے ہو سکے۔ اُس کے ساتھ برتاؤ کرو۔ تمکو خود معلوم ہے۔ کہ میں ذاتی جھگڑا کسی سے نہیں رکھتا۔ میں نے تمکو چند خطوط لکھے۔ اور مولوی محسن علی صاحب بھی لکھا۔ کہ علامہ ہروی نے جو جال پھیلایا ہے۔ اس کے پھنسنے سے بچو۔ مگر تم نے ایک نہ سُنی۔ اب سنو لو۔ آج ہم شیخ صاحب کے بابی ہونے کا پورا دعوے کرتے ہیں۔ اور آج مولوی محمد کاظم صاحب مرحوم زندہ ہوتے۔ تو پہلے انہی کی شہادت ہم دلواتے۔ جنہوں نے ادھر ایک وعظ اسکا سنکر پٹیالہ سے ان کو نکلوا دیا۔ مگر اس کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔ اور اُن کے مرنے کے بعد اُن کو پٹیالہ جانا نصیب ہوا۔ اُس کے بعد یہ مالیر کوٹلہ میں خواجہ غلام الثقلین نیچری بیدین کے پاس پہنچے۔ اور وہاں تعزیہ داری کی نسبت جو کچھ فساد برپا کیا۔ وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ غلام الثقلین کو تو ایسا اپنا مرید کیا۔ اور ایسا اُس کے نیچری عقائد کو استوار کر دیا۔ کہ اب اُس نے ظاہر بظاہر علمائے اعلام سے مقابلہ اور مخاصمہ کرنا اختیار کیا۔ اور مرزا احمد ہادی میرے شاگرد کو بھی لپیٹا۔ (۲) سر سید کی کارروائی جس کی تم بڑی توصیف مجھ سے کر چکے ہو۔ وہاں سُنیوں کو سُنی بنکر انہوں نے نماز پڑھائی ہے۔ اور شیعہ سُنی کے باہمی اتفاق کے بارہ میں جو کچھ کارروائی کی ہے۔ اور اس کا انعام گورنمنٹ سے چاہتے تھے۔ چونکہ رعایا کا اتفاق گورنمنٹ کی پالیسی کے

خلاف ہے۔ وہاں سے وائسرائے نے ان کو لکھا سا جواب دیا۔ کہ ہماری
خیر خواہی اس میں کیا ہے۔ تب سرحدی جاسوسی پر کمر باندھی ہے۔ یہ تو انڈیا کے حالات ہیں۔
اور میں ایک بڑا ہی معتمد فاضل تمہارے اور مولوی محسن علی صاحب کے سامنے پیش کرونگا۔ جس نے بمبئی
میں انکے خاص ایک مکان پر جا کر ان سے اقرار لیا ہے۔ کہ ہاں بابی کمیٹی کے یہی ایک ممبر ہیں۔
اب ایران کو لیجے۔ سب سے پہلے جو مفسدہ ایران میں برپا ہوا۔ اُس کے بانی یہی حضرت اور ایڈیٹر
اخبار سلطنت کلکتہ کا ہے جس کا دوسرا نام دوربین تھا۔ وہاں سے ان کا اخراج ہوا۔ اب
اعتبارات عالیات کو تو لیجے۔ دو خادم معتمد خدام نجف اور کربلا نے اور ایک امام ہندی تازہ
وارد نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ کہ وہاں کے علماء نے ان کو نکال دیا۔ اور برسر منبران کے
وعظ کو روکا۔ اس کی تصدیق ایک محضر سے کی جائیگی۔

تمکو معلوم ہے مولوی عنایت علی صاحب سامانہ والے کا انجام کہ شیخ
جعفر حسین صاحب بدالنوی کے فرزند سے ہم نے محضر منگوایا جس سے ثابت
کر دیا۔ کہ ان کو کسی نے اجازہ اجتہاد دینا کیا پیش نمازی کا بھی نہیں دیا ہے
اور یہ عربی عبارت صحیح پڑھ نہیں سکتے۔ اُسی کے آنے کے بعد جونی وغیرہ
ان کا آنا بند ہوا۔ ورنہ پٹنہ تک پہنچ گئے تھے۔ اور بنارس میں ان کے بیان
کی اغلاط اور بد گوئی کا ثبوت پورا دیا گیا۔ کہ پھر سارا زور ان کا گھٹ
گیا۔

میرے عزیز برادر۔ دیکھو۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ دنیا کا کام نہیں ہے۔ تمکو لازم ہے
کہ پوری تحقیق سے کام لو۔ تمکو خدا نے عقل دی ہے۔ مذہب حق رکھتے ہو۔ نہ دوستی کی رو اور
نہ دشمنی کی ہٹ۔ بلکہ دونوں سے جدا ہو کر تم اور برادر مولوی محسن علی صاحب جو کچھ میں لکھ رہا ہوں
اس کی جانچ پڑتال کرو۔ مولوی محسن علی صاحب نے کسی مجتہد کا جو کسی ریاست پنجاب میں ہے۔ شیخ
صاحب ہردی کا مداح لکھا ہے۔ اُن سے پھر دریافت کرو۔ مجھے اُن سے کسی قسم کی عداوت
نہیں ہے۔ مگر دینی امور میں جس قدر مجھے تحقیق کرنی واجب ہے۔ اُس کو ضرور کرونگا۔
رہا مسئلہ قرأت اور کتابت۔ اب دیکھو لفظی اغلاط مولوی محسن علی صاحب سے بھی مشتہر
ہو رہی ہیں۔ اور چونکہ شیخ ہردی کے فریب میں آکر مباحثہ پر آمادہ ہو گئے۔ افسوس ہے۔ انکو
اس قدر آمادگی مناسب نہ تھی۔ زیادہ والسلام۔

یہ خط بطور راز کے ہے۔ جب تک پوری تحقیق نہ ہو جائے۔ سوائے تمہارے اور مولوی
محسن علی صاحب کے اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ اور میں تحقیق کر رہا ہوں۔

خانگی امور . . . .

نہایت درجہ کی شکایت ہے۔ کہ شیخ سرسوی صاحب کی بدولت اب تمکو ہم سے اس قدر
نفرت ہوئی۔ کہ خط کا جواب بھی نہیں دیتے۔ آخر ہم سے کونسا قصور ہوا ہے جس کی سزا میں یہ
کارروائی کرتے ہو۔ فقط + غلام حسنین

اب آپ سے ضبط نہیں ہو سکا۔ خود چشم پر حملہ ہونے کے انتقام اور ذاتی حسد کی آتش
جو مدت سے سلگ رہی تھی۔ یکایک شعلہ زن ہو گئی۔ اور صاف لکھ دیا۔ کہ " لو آج ہم
شیخ صاحب کے بانی ہونے کا پورا دعوے کرتے ہیں"۔ لیکن "ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ"۔
نہایت افسوس ہے۔ کہ آپ کا مطلب حاصل نہ ہوا۔ نہ سرکار شیخ صاحب معاذ اللہ بابی ثابت
ہوئے۔ اور نہ ان کے جاننے اور ان کو بصیرت کے ساتھ پہچاننے والے ان سے بدظن
یا مشتبہ۔ بلکہ بمقولے "من حفر بئراً لاخیہ وقع فیہ" چاہ کن را چاہ درپیش۔ نتیجہ بالعکس نکلا۔ دنیا
میں (سوائے چند اشخاص کے) لوگ آپ سے بدظن ہو گئے۔ نیک نیتی ظاہر ہو گئی۔ اور باطن
منکشف ہوا۔ بحکم "الاعمال بالنیات" +

قطع نظر اس امر سے کہ آیا ایک شخص جس کے افعال و اقوال سراسر مطابق شریعت غرائے
محمدی و منہاج ائمہ اثنا عشر ہوں۔ وہ عند العقلاء کسی کے کہنے سننے سے معاذ اللہ بیدین یا کسی فرقہ
باطلہ کا پیرو ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یہ شہادات جو جناب کنتوری صاحب نے سرکار علامہ
مد ظلہ العالی کی بابیت کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ سراسر تا پا غلط محض و افترا و بہتان صریح ہیں۔
اور اس کے خلاف ہم ایسی شہادات بینہ رکھتے ہیں۔ جن کے قبول کرنے میں کسی عاقل بصیر منصف
متدین کو ذرا سا شبہ باقی نہیں رہ سکتی۔ اگر اور کوئی بھی ثبوت ہمارے پاس ان اوامر کی تکذیب کے
متعلق نہ ہو صرف جناب فصاحت نصاب فضیلت مآب مولوی خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب رئیس پٹیالہ
مد ظلہ العالی کی تحریر جو ذیل میں بجنسہ درج کی جاتی ہے۔ کافی و وافی ہے۔ اور اس سے حضرات
ناظرین حضرت کی صداقت اور سرسوی کی بدنیتی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ صحیفہ گرامی
جناب خلیفہ صاحب موصوف یہ ہے۔ پٹیالہ۔ ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۰۹ء

جناب میر صاحب مخدوم و معظم مشفقی و محترم میر ناظر حسین صاحب ناظم زاد مجدہم العالی۔

تسلیم۔ نیاز خادمانہ کے بعد گزارش ہے۔ کہ میں نے سُنا ہے۔ کہ جناب مولانا مولوی کنتوری صاحب نے
جناب کی خدمت میں کوئی تحریر یا خط جناب مستطاب سرکار شریعت مدار سید العلماء الکرام زبدۃ الفضلاء
العظام جناب فضیلت انتساب قدسی القاب علامہ شیخ عبدالعلی صاحب مدظلہم العالی کی نسبت ارسال کیا
ہے۔ اور اُس میں جناب مرحوم و مغفور والد ماجد کا حوالہ دیا ہے۔ کہ وہ جناب علامہ شیخ دام ظلہ سے
عقیدت نہیں رکھتے تھے۔ اور بُرا جانتے تھے جناب شیخ دام ظلہ کے وعظ سے ناخوش ہو کر
پٹیالہ سے جناب شیخ دام ظلہ کو (معاذ اللہ) نکلوا دیا۔ اور جناب قبلہ و کعبہ حضرت سلطان المجتہدین
تاج العلماء مولانا مولوی السید عنایت علی صاحب مرحوم و مغفور طاب ثراہ کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے
پس چونکہ جناب والد ماجد مرحوم و مغفور کی نسبت یہ ایک نہایت سفید جھوٹ اور بہتان و افتراء عظیم
ہے۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں۔ کہ اُن مرحوم کے خیالات اور حالات سے جس قدر میں واقف
ہوں۔ اور وہ لوگ کہ جو یہاں اُن کی خدمت میں شب و روز رہتے تھے۔ اور علمی و مذہبی تذکروں اور
جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ وہ جس قدر واقف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ہرگز واقف نہیں علامہ
کنتوری صاحب کو تو اگر ملاقات کا موقع ہوا بھی شائد ہو۔ تو ایک دو دفعہ ہی چند منٹ کے لئے حاصل
ہوا ہوگا۔ جو کچھ علامہ کنتوری نے تحریر فرمایا ہے جناب والد ماجد مرحوم پر سراسر بہتان اور کذب و
افتراء ہے۔ اُن مرحوم کو جناب قبلہ و کعبہ علامہ شیخ مدظلہ العالی کی خدمت میں نہایت دلی عقیدت
تھی۔ اور نہایت عظمت اور منزلت جناب شیخ کی اُن کے دل میں تھی۔ یہاں ہم سب لوگوں کو جناب
اس قدر عقیدت جناب شیخ سے ہے یہ سبب اُسی عظمت اور عقیدت کا اثر ہے۔ جو جناب والد ماجد
مرحوم کو حضرت شیخ مدظلہم کی خدمت میں تھی۔ اب ۱۹۰۸ء کے شروع میں جبکہ والد ماجد مرحوم کا انتقال
ہوا ہے۔ تو اسی زمانہ میں انتقال سے تقریباً ایک ہفتہ ہی پیشتر جناب سرکار علامہ شیخ مدظلہ العالی
یہاں پٹیالہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ اور خود جناب والد ماجد مرحوم کے ہی مکان میں وعظ
بڑے زور شور سے ہوئے۔ اور والد ماجد جس قدر اظہار عقیدتمندی جناب شیخ دام ظلہ کے
ساتھ فرماتے تھے۔ ہم لوگ ہی اس سے اچھی طرح پر واقف ہیں۔ پس یہ صراحۃً کذب اور بالکل
جھوٹا بہتان اور افتراء ہے جو تحریر کیا گیا ہے۔ باقی دیگر امور جو جناب شیخ مدظلہم العالی کی نسبت
تحریر کئے گئے ہیں۔ آپ خود جناب شیخ کے حالات سے واقف ہیں۔ میں کیا عرض کروں۔
جناب شیخ مدظلہ العالی کی نسبت ایسے خیال پیدا کرنے اور بیان کرنے سخت گناہ عظیم ہیں۔ حضرت
کے وعظوں میں کبھی ہم لوگ شریک ہوئے ہیں۔ اور اُن کے علمی تذکروں سے بھی فیضیاب

ہوئے ہیں۔ ایسا بے مثل عالم ہندوستان میں اس وقت موجود نہیں ہے۔ عقیدہ اثناعشری مذہب کے کوئی امر خلاف نہ جناب شیخ مدظلہم العالی کے اقوال سے نہ اعمال سے پایا جاتا ہے۔ اور جناب قبلہ و کعبہ مولانا مولوی سید عنایت علی صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ کی نسبت اس سے بھی زیادہ افتراء اور کذب ہے میں کیا عرض کروں۔ کہ جناب مولانا کو عربی پڑھنی بھی نہیں آتی تھی۔ یہ تمام تحریر جناب علامہ کنتوری کی نہایت قابل شرم ہے۔ میں کیا لکھوں۔ نہایت افسوس ہے۔ کہ ہمارے علماء کی آنکھیں حسد اور بغض و عناد نے بالکل حق کی طرف سے بند کردی ہیں۔ ہم لوگوں کی یہ حضرات کیا خاک اصلاح اور درستی کرینگے۔ جب اپنے ہی اخلاق کو ایسا خراب کردیا ہے۔ جناب مولانا مولوی سید عنایت علی صاحب مرحوم و مغفور کے علم و فضل تقدس و ورع کے سکے جگہ جگہ ہندوستان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کون شخص اس سے واقف نہیں۔ آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ کسی کی غلط بیانی سے کیا ہوتا ہے +

جناب والا کی خدمت میں میری گزارش یہ ہے۔ کہ یہ تحریر علامہ کنتوری کی نہایت نامناسب ہے۔ اور اس سے قوم کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس کو ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ بلحاظ پولیٹیکل بھی یہ الفاظ علامہ کنتوری کے کہ "رعایا کا اتفاق گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف ہے" سخت نامناسب ہیں سراسر غلط قابل الزام ہیں۔ اور اس تحریر سے شیعہ قوم کے باہمی اختلاف پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ حالانکہ اس وقت قوم شیعہ کے لئے اتفاق سب سے زیادہ ضروری امر ہے۔ آپ چونکہ قوم شیعہ کے سربرآوردہ لیڈر ہیں۔ اور اس کی تباہی اور بربادی کا درد آپ کے دل میں ہے۔ اس لئے آپ سے گذارش ہے۔ کہ آپ اس کا جلد انتظام فرمائیں۔ کہ یہ چنگاری اختلاف و نفاق کی جلد سرد ہوکر خاک ہوجائے۔ اور ان حضرات علماء کو اس باہمی حسد سے روکا جائے۔ مجھ سے زیادہ آپ واقف ہیں۔ جس طرح مناسب ہو۔ اس کا انتظام فرمائیں۔ اور براہ کرم عنایت نقل خط علامہ کنتوری خاکسار کے پاس ضرور ارسال فرمائیں۔ مجھے امید ہے۔ کہ جناب والا کے مزاج عالی خیریت سے ہونگے۔ براہ کرم و احسان خیریت مزاج عالی سے خادم کو مطلع فرماکر ممنون فرمائینگے۔

زیادہ نیاز۔ فقط۔ آپ کا خادم محمد ہاشم +

اس خط کا ملاحظہ کرا دینے کے بعد مجھے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر کسی صاحب کو اس کی اصلیت و حقیقت میں شبہ ہو۔ تو اس کے رفع کے لئے میں حاضر ہوں۔ اور جناب خلیفہ صاحب موصوف بفضلہ تعالے بقید حیات ہیں (خدا ان کو سیکڑوں برس زندہ و سلامت رکھے) بلکہ دیگر جملہ مومنین پٹیالہ جناب علامہ کنتوری صاحب کی اس تحریر کے خلاف ثبوت دینے کو تیار

ہیں۔ سرکار علامہ ہروی دام ظلہ اب بھی بحمد اللہ ہر سال اسی طرح پٹیالہ تشریف لاتے ہیں۔ اور موعظہ فرماتے ہیں +

جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی بالقابہ کی نسبت جناب علامہ کنتوری صاحب علیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے جواب دہ ہم نہیں۔ وہ خود جواب دے سکتے ہیں۔ ہاں ہم اتنا جانتے ہیں۔ اور خواجہ صاحب کے ہمراز اور پاس بیٹھنے والے اور خود خواجہ صاحب اور ان کے بھائی جناب خواجہ غلام الحسنین صاحب و جناب خواجہ غلام السبطین صاحب بی۔ اے اس کی تصدیق فرما سکتے ہیں۔ کہ خواجہ صاحب موصوف کو سرکار شیخ صاحب کی ذات سے کیا کچھ فائدہ پہنچا۔ اور تمام دیرینہ شبہات متعلق دیانت اسلام رفع ہو گئے۔ اور اب جناب خواجہ صاحب بہ نسبت سابق بہت زیادہ ارکان مذہب کے پابند ہو گئے۔ اور اس کا انہیں اقرار ہوگا۔ کہ جو معارف اسلامیہ انہیں سرکار شیخ صاحب مدظلہ العالی سے حاصل ہوئے۔ دوسرے سے نہیں۔ شائد آپ کے نزدیک صحیح اور اصلی معارف دین اسلام الحاد و نیچری اور دہری عقائد ہیں۔ اور اسی لئے فرماتے ہیں۔ کہ شیخ صاحب نے خواجہ صاحب کے نیچری عقائد کو استوار کر دیا۔ ورنہ تو شیخ صاحب نے عقائد دین اسلام میں استوار کیا ہے۔ اور نتیجہ بالعکس ہے۔ مالیرکوٹلہ کی تعزیہ داری وغیرہ کا حال جس کو جناب کنتوری صاحب فساد سے تعبیر فرماتے ہیں۔ وہ جملہ خواجگان مالیرکوٹلہ و خوانین ریاست مذکورہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جناب نواب احسن علی خاں صاحب بالقابہ مرحوم ہو گئے ہیں۔ مگر ان کی اولاد بحمد اللہ موجود ہے۔ اور نواب احسان علی خاں بالقابہ سلمہ اللہ سے اس کذب صریح کی حقیقت پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ اور خود والی ریاست دام اقبالہ سرکار علامہ مدظلہ العالی کے مکارم اخلاق و فضائل اوصاف سے واقف ہیں۔ اور ہم ذاتی تجربے اور نیز جملہ اہل ریاست مذکورہ نیز اہل لدھیانہ کے سادات و غیر سادات مومنین کی شہادت کی بنا پر دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ چند سال تک جب تک سرکار علامہ عشرہ محرم الحرام میں مالیرکوٹلہ جاتے رہے ہیں۔ جس رونق کے ساتھ عزاداری ہوتی رہی۔ اور غیر معمولی عشرے ہوئے۔ اور جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ وہ سب سرکار علامہ ہروی ہی کا فیض تھا۔ بعض مقام پر جدید مجالس عزا مقرر ہوئیں۔ خود ریاست کے امام خانے میں بفیض سرکار کے موعظے کی وجہ سے ایسی مجالس ہوئیں۔ جو شائد ہی پہلے کبھی ہوئی ہوں۔ جن کے دیکھنے اور شریک ہونے والے اور سرکار علامہ ہروی کی زبان مبارک سے فضائل و مصائب اہلبیت سننے والے موجود ہیں۔ اور بعض حضرات اہل لکھنؤ شل

جناب مرزا اور صاحب بھی مجھے یقین ہے اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ اور بیرسٹر قول کی
تصدیق فرما سکتے ہیں۔ جو اکثر عزا خانہ ریاست و دیگر عزا خانوں میں سرکار علامہ کے مواعظ سے
مستفید ہوتے اور مصائب سنتے رہے ہیں۔ اور ان کو اس کے کہنے میں ذرا بھی دریغ نہ ہوگا۔
کہ جناب کنتوری صاحب کا یہ فرمانا کہ "مالیر کوٹلہ میں تحریم داری کی نسبت جو فساد برپا کیا۔ وہ سب
کو معلوم ہے" جھوٹ۔ افتراء اور بہتان صریح ہے۔ کسی کو بھی نہیں معلوم۔ ہاں بڑے سے
بڑا گناہ اگر سرکار علامہ سے سرزد ہوا ہو۔ تو یہ ہوگا۔ کہ انہوں نے قبیح و ناجائز امور سے روکا ہو
یا ان لوگوں کی بدکاریوں کو بری نظر سے دیکھا ہو۔ جو بالا خانوں میں عیش و عشرت میں مشغول رہنے
کے بعد منبر رسول پر جھوٹ سچ بولنے کے واسطے سوار ہو جاتے تھے۔ انہی امور مذکورہ اور دروغ
بے فروغ مذکورہ سے سرحدی دعوے کو قیاس کر لیجئے۔ ایک فرد سرحدی گواہی نہیں دے سکتا
کہ ایک منٹ کے واسطے بھی کسی نے یہ شبہ کیا ہے۔ کہ یہ سنی ہیں جملہ اہل سرحد کوہاٹ و کورم
جو سرکار علامہ سے واقف ہیں۔ خواہ سنی ہوں یا شیعہ۔ حکام ہوں یا غیر حکام سب واقف ہیں۔
کہ سرکار علامہ شیعہ مذہب کے رکن اور عالم جید ہیں۔ اور ہم خود اس سفر میں سرکار علامہ کے ہمراہ
تھے۔ اکثر علماء اہلسنت بغرض مباحثہ یا استفسار سرکار علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔
ان کو کبھی یہ وہم بھی نہیں گذرا۔ جو جناب علامہ کنتوری کو الہام ہوا ہے۔ اور نہ سرکار علامہ ہروی مدظلہ
العالی پیش نمازی کا پیشہ کرتے ہیں۔ جو انہیں سنی بنکر نماز پڑھانے اور کچھ وصول کرنیکی ضرورت
ہوتی۔ ممکن ہے۔ خود قائل کو ایسا اتفاق ہوا ہو۔ اور بفحوائے المرء یقیس علی نفسہ سرکار
علامہ ہروی پر بھی یہ الزام قیاساً و رجماً بالغیب لگایا ہو۔ ورنہ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے" اس وقت
تصدیق کرائی جائے۔ اور اہل سرحد سے دریافت فرما لیا جائے۔ اگر علماء درد سادہ بنگش و
کورم و کوہاٹ یہ لکھ دیں۔ کہ جناب سرکار علامہ الشیخ عبد العلی ہروی الطہرانی دام ظلہ العالی نے
یہاں سنی بنکر نماز پڑھائی تھی۔ تو ہم ایک سو روپیہ انعام دینگے۔ اور تمام تحریرات واپس لے لینگے۔
ورنہ "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" کا تمغہ کسی مستحق کو ملیگا۔ اگر سرحد کوہاٹ و کورم کے حالات اور وہاں
کے سنی اور شیعہ کے باہمی تنازعات و فسادات کا حال معلوم ہوتا۔ اور عقل سے کام لیا جاتا۔ تو معلوم
ہو جاتا۔ کہ یہ بالکل ناممکن ہے۔ کہ وہاں کوئی سنی عالم شیعوں کو اپنا ہم خیال بنا لے۔ اور ان میں اتفاق و
اتحاد کرا دے۔ یہ صرف سرکار علامہ ہی کا حسن خلق اور کمال علم تھا۔ کہ دونوں کو بہت سے امور میں
متفق کر دیا۔ اور بہت سے نزاعات مٹا دئیے۔ اسی کا جناب کنتوری کو ملال ہے۔ کیونکہ یہ فعل

ان کے خلاف طبیعت تھا۔ اور نیز ان کے نزدیک خلاف مصلحت گورنمنٹ۔ نہ معلوم جناب کو یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ "رعایا کا اتفاق گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف ہے"۔ گویا آپ کے خیال میں گورنمنٹ رعایا کے نفاق و اختلاف سے خوش ہے۔ یا خود نفاق ڈلواتی ہے۔ گورنمنٹ عالیہ کا ہندوستان کے باہمی قومی و مذہبی معاملات میں خود دخل نہ دینا اور ہر ایک کو مذہبی آزادی عطا کرنا اس کا ہم معنی اور مترادف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کہ سرکار انگلشیہ اتفاق و اتحاد کے مخالف ہے۔ اور رعایا میں نفاق ڈلوانا چاہتی ہے۔ ہمیں اس خیال سے اتفاق نہیں۔ اور اس الٹی منطق کے ثبوت کے ذمہ دار خود جناب علامہ کنتوری ہیں۔ اور غالباً انہیں اپنے اس خیال کو جس سے کہ پبلک میں بدظنی پھیل جانے کا گمان قوی ہے واپس لینا پڑیگا۔ نہ معلوم جناب والا کو یہ کس خفیہ محکمہ کی معرفت معلوم ہوا۔ کہ ہز اکسیلینسی وائسرائے صاحب بالقاب نے اس اتفاق و اتحاد کی بابت ٹکا سا جواب دیدیا۔ کہ اس میں ہماری خیرخواہی کیا ہے۔ غالباً آپ کو بھی سی۔ آئی۔ ڈی سے کچھ تعلق ہے۔ کمال یہ ہے۔ کہ پھر فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سرحدی جاسوسی پر کمر باندھی ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو........۔ اول تو سرکار علامہ سرسوی باغی تھے۔ خلاف مصلحت گورنمنٹ سنی شیعوں میں اتفاق کرا رہے تھے۔ گورنمنٹ اس پر ناراض ہوئی۔ ٹکا سا جواب دیا۔ اور پھر اسی سرحدیان کو اپنا جاسوس بنا لیا۔ ماشاءاللہ چشم بد دور کیا استدلال۔ دور اندیشی اور نکتہ رسی ہے۔ ان راست گوئیوں کے بعد اب آپ خارج از انڈیا کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور معتمد فاضل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جو شہادت دیگا۔ کہ سرکار علامہ سرسوی مدظلہ العالی نے ان کے روبرو بیان کیا۔ کہ وہ بابی کمیٹی کے ممبر ہیں"۔ ان هذا الا اختلاق"۔ بابی کمیٹی یا بابی لاج کی معرفت تو اس کو ہوگی۔ جو اس کا ممبر ہو۔ اور اس شہادت کی نسبت ہم مفصل رائے اس وقت دیں گے۔ جبکہ یہ شہادت پیش کی جائیگی۔ ہاں ہم اپنے ایمان کی رو سے اتنا ضرور کہتے ہیں۔ کہ سرکار علامہ آج تک نہ کبھی بمبئی گئے نہ بمبئی دیکھی۔ اس لئے وہ جو یہ کہے۔ کہ سرکار علامہ سرسوی الطهرانی نے بمبئی میں ان سے اقرار کیا۔ کہ وہ بابی ہیں"۔ مفتری۔ کاذب بلکہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ملعون و ملحد ہے۔ ولعنة الله على الكاذبين۔ علاوہ ازیں آج تک جناب کنتوری ایک فرضی فاضل بھی پیش نہ کر سکے۔ بلکہ جب چودھری جعفر حسین مرحوم بی۔ اے نے اپنے بمبئی کے قیام میں اس کی تحقیق چاہی۔ اور جناب کنتوری صاحب سے ان لوگوں کے نام جنہوں نے انہیں خبر دی تھی۔ اور بابی لاج اور بابی کمیٹی کا پتہ دریافت کیا۔ اور

متعدد خطوط بھیجے گئے کہ ایک خط رجسٹرڈ بھی لکھا۔ تو چپ سادھ گئے۔ اور تا حین حیات موصوف جواب نہ دیا۔ اور یہی آپ کے سچ کی دلیل ہے۔ کربلا و نجف اشرف کی بابت جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ بھی بالکل پٹیالہ کی طرح ہے۔ اور اس کی تکذیب میں اکثر علماء کی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔ اور سرکار علامہ کے دیکھنے والے نجف اشرف و کربلائے معلی میں ابھی بعض موجود ہیں جس کا دل چاہے۔ دریافت کر لے۔ ہاں چند اللہ دعا کیب العلماء کا اعتبار نہیں۔ جو ایک چپیدی پر ہزار جھوٹ بولنے اور معصوم کا خون کر دینے کو تیار رہتے ہیں۔ اور نہ ان لوگوں کا اعتبار ہے۔ جو حدیث ذیل کے مصداق ہیں "شرار الناس قوامنا و خدام قبورنا" بدترین خلائق ہمارے امور کے متولی اور ہماری قبروں کے خادم ہیں۔ حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ اور حضرت صاحب العصر اس کی تصدیق فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتب حالات حضرت حجت عجل اللہ فرجہ علیہ السلام۔ حالانکہ یہ کسی خادم نے کہا۔ اور نہ کسی معتمد نے خبر دی۔ اور نہ کسی تازہ وارد عالم ہندی نے بیان کیا" و ان ھم الا یخرصون"

ہمارے ناظرین کو یاد ہے۔ کہ جب اس امر کی تحقیق میں بہت زور دیا گیا۔ اور آپ سے مخبروں کے نام دریافت کئے گئے۔ تو آپ نے باصرار جناب چودھری جعفر حسین صاحب بی۔ اے لدھیانوی مرحوم کو حسب ذیل پانچ نام لکھ کر دئیے۔ جناب خواجہ مولوی عابد حسین صاحب انصاری سہارنپوری مرحوم و مغفور۔ جناب مولوی خواجہ مختار احمد صاحب ممتاز الافاضل و صدر الافاضل عراق و جناب مولوی خواجہ ظفر حسن صاحب مولوی فاضل ہمشیر زادگان جناب خواجہ صاحب موصوف مرحوم و مغفور۔ و جناب سید غلام مرحوم خلف جناب علی صاحب قدس سرہ۔ و جناب مولوی سبط نبی صاحب لوگانوال۔ ان میں سے تین بزرگوار بقید حیات ہیں۔ اور دو مرحوم ہو چکے۔ یعنی جناب خواجہ صاحب و آغا صاحب۔ جناب مولوی خواجہ ظفر حسن صاحب اس وقت پٹیالہ ہی میں مقیم تھے۔ ان سے خود جناب علامہ ہردی اور دیگر حضرات مومنین پٹیالہ نے اس کی حقیقت کی بابت دریافت کیا۔ تو موصوف نے بظاہر اپنی بیزاری ظاہر کی۔ حقیقت کو خدا بہتر جانتا ہے۔ اور جناب مولوی خواجہ مختار احمد صاحب سے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جناب خواجہ مولوی عابد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کی نسبت مجھے کچھ شبہ ہے۔ کہ انہوں نے کچھ ایسا ذکر کیا ہو۔ اور شاید عالم ہندی تازہ وارد کربلا سے مراد یہی گنہگار ہوں۔ کیونکہ یہ اسی زمانے میں زیارات سے مشرف ہوئے تھے۔ اور ملاہور ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ اور اس سال

سے پھر جائیں گے۔ جس کی مثل و نظیر انہوں نے آج تک کوئی عالم نہیں دیکھا۔ ان کے نزدیک آفتاب آمد دلیل آفتاب اس کا علم معرفت و تقوےٰ و طہارت۔ زہد و عبادت اس کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر ہزار شخص اس کے خلاف بکواس کریں۔ تو قابل سماعت نہیں کیونکہ ہر شخص کے لئے اس کا اپنا علم مدار و ملاک تکلیف ہے۔ نہ سنی سنائی باتیں جو خلاف مشاہدہ و علم و تجربہ ہوں۔ انہوں نے دین کو بصیرت کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ اور اندھی تقلید کے سخت مخالف ہیں۔ وہ گدی پوجنے اور ارثی اجتہاد و تقلید کو برا جانتے ہیں۔ اور سچے کو سچا سمجھ کر اور اُسکی تحقیق و تصدیق کر کے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر مدعی کو نائب امام اور قبلہ انام قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ کب ان گیدڑ بھبکیوں میں آ سکتے ہیں۔ "لاتقف ما لیس لک بہ علم" پران کا عمل ہے۔ وہ شیخ کے کمال علمی کو برسوں دیکھنے اور پرکھنے کے بعد اس درجے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ کہ وہ عالم اسی کو جانتے ہیں جس کی شیخ صاحب تصدیق فرمادیں۔ پھر وہ شیخ صاحب کے برخلاف ان مزخرفات کو کب سننے والے ہیں جنکی حیثیت "کلام العدیٰ ضرب من الھذیان" سے زیادہ نہیں ہے۔ مذکورہ بالا خط کے دیکھنے سے ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ بظاہر جناب علامہ کنتوری صاحب نے یہ امور بطور شبہ لکھے ہیں۔ اور بصیغہ راز رکھے جانے کا حکم ناظم صاحب کو دیا ہے اور خود ان کی تحقیق میں مصروف ہیں۔ اور اس اہم اور مشکل مہم کو انجام دینے میں سرگرم۔ چنانچہ اس خط کے پڑھنے اور سننے والوں کو بوجہ جناب کے عالم دین کہلانے اور ان سے حسن عقیدت رکھنے کے یہی خیال گزرا تھا۔ کہ واقعی جناب کنتوری صاحب کو کسی نے دھوکا دیا ہے۔ اور سادگی اور محض حسن ظن یا کمال بدظنی کی بنا پر ایسا شبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا قرار پایا۔ کہ اس امر کی ان سے تحقیق کی جائے۔ اور لکھا جائے۔ کہ اول آپ یہ بتلائیں کن لوگوں سے آپ نے ایسا کہا ہے؟ اور یہ کہ بابیوں کے عقائد کیا ہیں؟ ثانیاً ایک شخص جو بظاہر مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو۔ اور اس کے جملہ افعال و اعمال و اقوال مطابق شریعت غرّائے محمدی و منہاج ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں۔ اس کی بابیت کی تصدیق اور تحقیق کس طرح اور کن طریقوں اور اصول سے ہو سکتی ہے؟ اگر ہمیں ثابت ہو جائے۔ تو ہم بھی آپ کے ہم خیال ہو جائینگے۔ اور یہ یقین تھا۔ کہ جناب علامہ ان امور کا جواب دینگے اور ضرور بعضی اس امر کو راز میں رکھیں گے۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ اور اس وقت منتظر نگرے

ایک خط اس مضمون کا وصول ہوا۔ کہ جناب علامہ کنتوری کا ایسا ایسا خط آیا ہے۔ اور اس میں انہوں نے تمام ممبران انجمن جعفریہ مظفرنگر اور سادات بارہہ کو ناظم الہند دیکھنے سے منع فرمایا اور اس کے متعلق ہدایات لکھی ہیں۔ اور سرکار علامہ ہردی سے ایسے ایسے امور کی نسبت دی ہے۔ جس کو ہم شرم کی وجہ سے نقل نہیں کر سکتے۔ اس خط کی تصدیق خود جناب ریاست مآب سید مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ کے ۲۰ نومبر کے خط سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اڈیٹر ناظم الہند کو لکھا ہے۔ اور جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "ایک خط جناب مولوی غلام حسنین صاحب کا میرے پاس آیا تھا۔ جس کے مضمون نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اور اس کو میں نے عسکری حسین کو بھی دکھلا دیا تھا۔ صرف اسی غرض سے کہ وہ آپ کو مطلع فرما دیں معلوم نہیں کہ اس کا مضمون آپ تک پہنچا یا نہیں" ۔ مظفر علی عفی عنہ۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۹ء۔ اس خط کے آنے سے اہل لاہور اور پنجاب کے خیالات بہ نسبت جناب کنتوری صاحب صاف بدل گئے۔ اور یقین ہوگیا۔ کہ محض چال ہے۔ ادھر ہمکو راز میں رکھے جانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور ادھر لوگوں کو اور انجمنوں کو لکھا جا رہا ہے۔ اور اشاعت کی جا رہی ہے۔ ایک عالم سے ایسی ایسی انتہا کا قابل شرم بات ہے عسکری حسین صاحب کے خط کے آنے کے بعد حضرات لاہور اور پنجاب نے جناب کنتوری صاحب سے مطالبہ و مواخذہ سختی سے کیا۔ جس کا حال جناب کنتوری صاحب کے منقولہ ذیل خط مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء سے ظاہر ہوگا:-

"ع ح۔ دام من سلمہ اللہ۔ بعد دعا و سلام کے واضح ہو۔ کہ خط تمہارا پہنچا۔ مجھے جس طرح سے تم سے خصوصیت کے ساتھ محبت ہے۔ اوس کو مجھ سے اس کے اظہار کی حاجت نہیں۔ جناب شیخ کی نسبت جو تمکو کسی نے لکھا ہے۔ کہ کسی نے ان کے بابی ہونے کا مجھے خط لکھا ہے۔ میں مشتہر کرونگا۔ یہ محض غلط ہے۔ البتہ جب مومنین لاہور کی رائے بعد تحقیق اس امر کے ہوگی۔ اس وقت اعلان کرنا یا نکرنا جو کچھ مناسب ہوگا کیا جائیگا۔ جناب شیخ کا خط جو میرے نام آیا ہے۔ منشی جعفر حسین بی۔ اے کے پاس میں نے اوس کی نقل بھیج دی ہے۔ اس کو بھی تم سب پڑھ کر اپنے دین و دیانت سے سمجھ سکتے ہو کہ علماء لکھنؤ سے کس قدر ان کو کاوش ہے۔ اور مجھے کس قدر ان علماء کی مخالفت پر آمادہ کر رہے ہیں۔ فیصل خاص حسن بکما دعوے خواجہ غلام الثقلین نے اجلاس کانفرنس میں کیا ہے۔ ملتا جلتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ قرأت و کتابت جناب رسول اللہ کا جو شیخ صاحب نے چھیڑا ہے۔ اور جس کو علماء متقدمین و متاخرین کبھی زیر بحث نہیں

لائے۔ اس کا نتیجہ آخر تم کیا سمجھتے ہو۔ اگر کوئی شخص تم سے کہے۔ کہ ہمارے رسول ص اور
ان کے وصیؑ برحق بڑے خوشنویس تھے۔ جیسے جواہر رقم خاں۔ اور کیسا ہی بدخط لکھا ہو
اُس کو پڑھ لیتے تھے۔ تو تم بتاؤ۔ یہ کونسی فضیلت جناب رسول ص اور امیر المومنین ع کی
ہوئی۔ اور اگر تم سے کوئی یہ کہے۔ کہ باوجودیکہ ہمارے رسول ص و امیر المومنین ع رسمی
طور پر پڑھے لکھے نہ تھے۔ مگر تمام کتب آسمانی کو پڑھ کر یہود و نصاریٰ کو عاجز کرتے
تھے۔ یہ فضیلت کی بات ہے۔ یہ وہ بات ہے۔ کہ جس کو ادنےٰ آدمی مشق کر کے
حاصل کر سکتا ہے۔ جب عقلی طور پر اس میں فضیلت ہوئی۔ کہ اُمّی ہو کر ہمفتاد زبان
و ہفتاد قلم ہو جائے۔ اور قرآن مجید بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ پھر اس کے
خلاف جو شخص جناب رسول ص کے امی ہونے کا قبل بعثت انکار کرے۔ اور عوام کو
دھوکا دے کر ایک بڑے معجزے کا منکر ہو۔ سچ کہو۔ اس کو اسلام کے کس فرقہ
میں شمار کر سکتے ہو۔ اب بخوبی ثابت ہوا۔ کہ اس مسئلہ کا چھیڑنا محض اسی غرض سے ہے۔
کہ علماء سابقین اور موجودین سب کو نشانہ تیر ملامت بنانا اور عوام کو اُن سے بدعقیدہ کرنا اور
کسی اور مذہب کا ان کو پابند کرنا مد نظر ہے۔ یہ پہلا شبہ ہم کو اس مسئلہ کے زیر بحث ہونے میں
ہوا۔ اس کے بعد جو کلمات ناسزا نسبت علماء اعلام کے ناظم النجف میں چھپے۔ اور جو غلط معنی
آیات قرآنیہ کے خلاف اجماع مفسرین چہ سُنّی چہ شیعہ درج ہوئیں۔ جن کے اثبات میں ہم اور نورِ چشم
مولوی ناصر حسین ذمہ دار ہیں۔ یہ دوسرا شبہ ہے۔ اب نے ہے آپ لوگ جو دفتر دفتر محامد و اوصاف
جناب شیخ صاحب کے لکھ رہے ہیں جس قدر آپ کو لیاقت فہم کی ہے۔ اس کی نظر سے سب صحیح
ہے۔ مگر وہ غوامض اسرار علمی جس کو علماء سمجھ سکتے ہیں آپ لوگوں کو کہاں نصیب ہے۔
مجھ سے جن لوگوں نے ان کے بابی ہونے کا اظہار کیا ہے۔ یہ واقعہ قبل اس مناظرہ و مباحثہ کا ہے۔
جو کہ علماء سے ہو رہا ہے۔ کسی طرح محمول بر حسد نہیں ہو سکتا ہے۔ اور جناب شیخ کو کونسی الیسی وجاہت
دینی یا دنیوی حاصل ہے۔ کہ جس کا حسد مقدسین علماء کریں۔ یہ سب باتیں جو زیر تحقیق ہو رہی ہیں
اور جن کا ثبوت تحریری و تقریری فراہم ہو رہا ہے۔ وہ محض بغرض حفاظت دین ہے۔ کہ جس
کے ذمہ دار علماء ہیں۔ عوام جہلا کو یہ تکلیف نہیں ہے۔ ہم نے نہایت آسان طریقہ جناب شیخ صاحب
کی تحقیق حالات کا تجویز کیا ہے۔ کہ علماء عراق جن کے وہ خود مداح ہیں۔ جن کو ان کی کسی قسم کی خصومت
نہیں ہے۔ انہیں کی توثیق عالم دین کی توثیق ہوتی ہے۔ اب منشی جعفر حسین بی۔ اے کے عزیز کا

قافلہ جارہا ہے۔ دو مہینہ کے اندر یہ بات طے ہوسکتی ہے۔ کسی عالم کو اپنا پیشوا اور معتقد انبانا بدون
اس کے کہ معتمد علماء اس کی توثیق کریں۔ ہرگز جائز نہیں ہے۔ تم لوگ مبصر جوہری نہیں ہو۔ تمہارا یہ
کہہ دینا۔ کہ ہم نے ان سے کوئی مضمون خلاف شریعت نہیں سنا ہے۔ علماء اعلام کے نزدیک
کیسے مستند ہوسکتا ہے۔ زیادہ تر خلاف مصلحت تم نے یہ کیا۔ کہ ہمارے خطوط لوگوں کو پڑھا
دئے۔ مولوی محسن علی صاحب نے بھی یہی کیا۔ اور ہم پر اہل پنجاب کا بلوہ کرادیا۔ اور اب
بلوہ کرانے کے بعد پانچ مہینہ کے ہمکو خط لکھا ہے۔ کیا یہی مقتضا دوستی و محبت کا ہے جن لوگوں
نے تمہارے مشورہ سے ہمیں خط لکھے ہیں۔ اور بد کلامی کی ہیں۔ وہ سب خط موجود ہیں۔ سب
تمہارا ہی حوالہ دیتے ہیں۔ پھر کیا ان لوگوں کی دھمکی سے ہم ڈر جائینگے۔ اور حق واجب کو پورا
نہ کرینگے۔ کیا پنجاب میں ہماری کوئی تجارت جاری ہے۔ کہ جس میں نقصان
پہنچیگا۔ یا ہم نے کبھی دعوے اجتہاد کا کیا ہے۔ کہ ہماری تقلید سے لوگ
نکل جائیں گے۔ رجب دینی و دنیوی دونوں طرح کا خوف ہم کو نہیں ہے۔ اور علماء گذشتہ و حال
کی خدمت گزاری ہم پر واجب ہے۔ اور جو شخص ان کو برا کہے یا برا سمجھے۔ اس کی بیخکنی ہم پر لازم
ہے۔ پھر کیوں اس امر میں ہم سکوت کرینگے۔ اور ایک دن ہمارے سامنے نظر آرہا ہے۔
کہ خاص لاہور میں پہنچ کر ایک جلسۂ عظیم الشان مومنین کا کر کے سب کو دکھلادیا
جائیگا۔ کہ اصلی واقعہ کیا ہے۔ اور کیوں ناظم الہند میں بیہودہ زبانیاں ہورہی
ہیں۔ اور کس غرض سے یہ مسئلہ چھیڑا گیا ہے۔ تم کو لازم ہے۔ کہ تم سادات بنی فاطمہؑ میں سے ہو۔
اور یہ دین و مذہب تمہارے گھر کی بات ہے۔ اور خصوصاً سادات بارہا۔ تم اپنے بزرگان سلف ما
کی روش اختیار کرو۔ اور یاد کرو۔ کہ مولوی عنایت علی مرحوم نے تمہارے
بارے میں کیا مفسدہ کیا تھا۔ اور چھتر وڈی اور تین پورے لیل میں۔ حالانکہ ان میں
اتنی لیاقت نہیں تھی۔ کہ کسی مسئلہ کا جواب لکھ کے دیتے سوائے زبانی قلقلہ
کے۔ تو یہی غلام حسنین تمہارے سادات کا خادم ابھی زندہ موجود ہے۔ کہ یہاں سے
اعراق تک ان کی ساری قلعی کھول دی۔ پھر ان کو سامانے سے بارہے تک
آنا دشوار ہو گیا۔ او ساٹھارہ بتھر جو علماء لکھنو کو بھینکے تھے۔ ان کی چوٹ خود
انہیں کو لگی۔ میں نے پانچ سوال ایسے تحریر کئے تھے۔ کہ جس کا جواب انہوں
نے بدشواری دو مہینے میں کسی سے لکھوا کر دئے تھے محض غلط۔ مجھ سے ایک

سوال مولوی صاحب مرحوم نے یہ کیا تھا کہ عوج بن اُناق کی ماں کا کیا نام ہے جس پر تمہارے بھائی بندگکروی والے خوب ہنسے تھے۔ میرے نام کا خط جو شیخ صاحب کا آیا ہے۔ اس میں مولوی صاحب کی بڑی ثنا وصفت لکھتے ہیں۔ جن کی یہ کیفیت ہے۔ کہ برسر منبر چند مرتبہ جھوٹی روایت پڑھنے پر ٹوکے گئے۔ مولوی محمد حسن صاحب سنبھلیڑی والے ابھی زندہ موجود ہیں۔ اور بھی دو ایک اہل علم جنہوں نے برسر منبر مولوی مرحوم کو ٹوکا ہے۔ یہ باتیں سب تمکو معلوم ہیں۔ بنارس کے طلبۂ علم نے مولوی عنایت علی صاحب مرحوم کو جس قدر آزمایا ہے۔ وہ بھی میں کبھی تمکو لکھونگا اب تو وہ مر گئے۔ خدا بہشت نصیب کرے۔ نہیں تو میرے عربی خط کا جواب عربی زبان میں دینا تو درکنار چند فقرے عبارت عربی کے صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہ بیس برس کا قصہ ہے۔ تم اُس زمانہ میں بہت کمسن تھے۔ مگر جو شخص مولوی عنایت علی مرحوم کی ایسی ثنا وصفت کرے۔ جیسے کہ جناب شیخ صاحب کر رہے ہیں۔ کہو ہم اس کو کس پایہ کا عالم سمجھ سکتے ہیں۔ میرے بعض تلامذہ نے جناب شیخ کا وعظ بھی سُنا ہے۔ اور اِس وعظ میں جو جو باتیں انہوں نے بیان کی ہیں۔ وہ بھی مجھ تک پہنچی ہیں۔ وہ سب عام مومنین کو دکھلائی جائینگی +

خلاصہ یہ ہے۔ کہ تمکو اور جمیع مومنین کو لازم ہے۔ کہ علماء عراق سے جناب شیخ صاحب کی توثیق کراؤ۔ اس کے بعد انکی تقلید اور پیروی اور ان کے فضائل کا نشر کرنا تم سے زیادہ ہم خود کرینگے۔ اور ہماری طرف سے مطمئن رہو۔ ہم کبھی ان کے بابی ہونے کا اعلان مثل تمہارے نہ کرینگے۔ ایک دھیلے کی مٹی کی ہانڈی آدمی لیتا ہے۔ اُسے بھی ٹھونک بجا کر لیتا ہے۔ یہ تو دین کا معاملہ ہے۔ تم نے کوئی امر خلاف شریعت خلاف مذہب ان سے نہیں سُنا۔ تم بھی سچے ہو۔ اور جن مقدس لوگوں نے سُنا ہے۔ میں ان کو بھی جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ فقط۔ غلام حسنین۔

اِس جھوٹ کا حال مثل مہر نیمروز ظاہر و نمایاں ہے۔ کہ آپ وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم ان کے بابی ہونے کا اعلان ہرگز نہ کرینگے۔ اور وہاں سادات باہرہ و دیگر مقامات میں لکھ دیا۔ اور اعلان کر بھی دیا۔ جو شخص اس طرح صریح جھوٹ بولے۔ اور پھر عالم دین کہلائے۔ اس کی بات کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ بحث قرأت و کتابت کی نسبت جو اس خط میں اشارہ کیا ہے۔ اور نیز تحریر فرمایا ہے۔ کہ وہ غوامض اسرار علمی جس کو علماء سمجھ سکتے ہیں۔ آپ لوگوں کو کہاں نصیب ہے .... اور ہم لوگ مبصر جوہری نہیں ہیں۔ اس کی حقیقت جناب کنتوری صاحب کے علمی مضامین میں ظاہر ہوگی

جو ابھی لکھے جاتے ہیں۔ اور اس وقت ہمارا جوہری ہونا معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی کہ بیشک ہم دوکاندار یا دلال جوہری نہیں ہیں جو اپنی ہی دکانوں کے موتیوں کو اچھا بتلائیں۔ اور حقیقی مبصر جوہری ہم ہی ہیں۔ کہ بعد پرکھنے آپ کے علم و عمل کے چالیس برس کے بعد آپ سے بیزار ہو گئے۔ اگر مبصر نہ ہوتے تو آج بھی آپ ہی کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ اور دن دہاڑے آفتاب پر خاک ڈالتے۔ اگر آپکو پنجاب میں اپنی تجارت کی کساد بازاری کا خوف نہ ہوتا۔ تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اور حسد پیدا نہ ہوتی۔ اور مولوی عنایت علی صاحب کو صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور صوبہ بہار تک پہنچنے سے ذریعہ کہتے۔ اور انکی شہرت علمی کا سد راہ نہ ہوتا۔ علم سے بڑھ کر کونسی دولت ہو سکتی ہے کہ جس پر حسد کیا جائے۔ ابتدائے عالم سے آج تک سب سے بڑی چیز حسد کی علم ہی رہا ہے۔ اور ارباب علوم الٰہیہ و معادن اسرار غیر متناہیہ حضرات ائمہ معصومین سے حسد کا باعث محض دولت علم ہی تھی جس کی بابت خدا فرماتا ہے۔ ام یحسدون الناس علی ما آتاهم الله من فضله الخ۔ ورنہ ان کو بظاہر کونسی دینی یا دنیوی وجاہت حاصل تھی۔ دینی حیثیت سے عام طور پر امام المسلمین و خلیفہ رسول نہ مانے جاتے تھے۔ دنیوی حیثیت سے سلطان وقت نہ تھے۔ خانہ نشین کر دئے گئے تھے۔ اگرچہ فی الحقیقت مالک دین و دنیا تھے۔ مگر بظاہر کوئی وجاہت دینی یا دنیوی ان کے لئے نہ چھوڑی گئی تھی۔ مگر لوگ پھر بھی حسد کرتے تھے۔ وہ باعث حسد کیا تھا؟ صرف یہی کہ وہ ایسے کیلن ہیں۔ لہذا ما به الحسد یعنی دولت علم شیخ صاحب کے پاس آپ سے ہزار درجہ زیادہ موجود ہے۔ اور اسی دولت سے وہ مالامال ہیں۔ اور بہت سے جوہر انکے پرکھنے اور جانچنے والے موجود ہیں۔ جو عراق عرب میں بھی رہے ہیں۔ ایران میں بھی قیام کیا ہے۔ اور افغانستان بھی دیکھا ہے۔ اور ہر ملک کے علما کی صحبت اٹھائی ہے۔ اور منتہائے تحقیق کے بعد انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔ کہ شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی مدظلہ العالی سے بہتر عالم باعمل یہاں موجود نہیں۔ جو بالکل حق بجانب ہے۔ اور جناب مولانا عنایت علی صاحب کے ساتھ جو کچھ آپ نے کیا۔ اس کی جزا آپ کو خدا دیگا۔ اور جواب ان امور کے ان کے ورثا اور ان کو جاننے والے اور حسن عقیدت رکھنے والے۔ اور جناب شیخ صاحب کا مولوی عنایت علی صاحب مرحوم کی تعریف و توصیف کرنا انکی صفائی قلب کی دلیل ہے۔ اور عالم ربانی دوسرے عالم دین سے مل کر مسرور و خوش ہوتا ہے۔ اور اس کی تمجید کرتا ہے۔ چنانچہ سوائے آپ کے دیگر علماء دین اور کاملین نے انکی داد دی ہے۔ توصیف کی ہے۔ منجملہ ان کے جناب مولانا سید حامد حسین صاحب مرحوم مغفور۔

والد ماجد جناب ناصر الملۃ اور اُن کے معاصرین علماء لکھنؤ۔ اور یہ لوگوں کو معلوم ہے۔ اور مولانا اعلی اللہ مقامہ کے پاس نجم الملۃ ابھی زندہ و موجود ہیں۔ اور وہ شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ جناب مولانا نے باوجود آپ کا بزرگ ہونے کے آپ کو کیا مبارک خطاب عطا کیا تھا جس کو نقل کرنا باعث ننگ و عار ہے۔ علاوہ ازیں میں پھر وہی عرض کرونگا۔ سرکار شیخ میر عنایت علی نباشد۔ ان کے ساتھ جو کچھ آپ نے کیا اور کامیاب ہوئے۔ ہو گیا۔ وہ وقت اور تھا۔ لیکن سرکار شیخ کے مقابلہ میں آج تک آپ کچھ بھی نہیں کر سکے۔ ایک تصدیق بھی نہ منگا سکے۔ ایک سچی شہادت تو کیا جھوٹی بھی بالمقابل پیش نہ کر سکے۔ نہ لاہور میں عظیم الشان جلسہ کرنا نصیب ہوا۔ بسم اللہ اب آیا گیا ہے۔ اب تصدیق منگائی جاتی ہے۔ اور ہم لوگ تو بفضلہ خود اہل بصیرت ہیں۔ ہمیں کسی عالم کی نسبت جس کو ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کسی دوسرے کی تصدیق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور نہ یہ تکلیف شرعی اور حکم خدا ہے۔ اور اگر یہی دلیل علم ہے۔ تو اول جناب کنتوری صاحب خود اپنی علمیت کی تصدیق علماء سے کرائیں۔ اور اسی طرح دیگر مدعی۔ ہم نے جب آپ کو عالم دین تسلیم کیا تھا جب کسی عالم کی تصدیق نہ مانگی تھی اور نہ کوئی سند دیکھی تھی صرف آپ کا اپنے سے زیادہ علم و عمل دیکھ کر عالم دین مانا تھا۔ اب جب کہ آپ کی بے۔۔۔۔۔ اور جھوٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بازی معلوم ہو گئی۔ آپ سے بیزار ہو گئے۔ اور یہ ہمارے کمال تدین کی دلیل ہے۔ کہ ہم عالم دین کو عالم دین سمجھ کر دوست رکھتے اور اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ کسی تعلق دنیوی یا رشتہ وغیرہ کی وجہ سے۔ آپ خود فرمائیں۔ کہ خود علماء لکھنؤ آپ کو کیا کہتے ہیں۔ ایک دن تو کیا ایک منٹ کے واسطے بھی آپ کو گروہ علماء دین میں انہوں نے شمار نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے آپ مجمع علماء سے و مدرسہ سے۔ جیسا کہ خود آپ ایک خط میں اظہار فرماتے ہیں۔ آپ کیونکر حامی دین ہونے اور اس کے ذمہ دار بننے کے خود بخود مستحق قرار پا سکتے ہیں۔ آپ کے حالات اور آپ کی تجارتوں سے تمام ہندوستان واقف ہے۔ اسی کا نام حمایت دین ہے۔ کہ ایک مفسدہ عظیم محض خود غرضی اور بدظنی سے قوم شیعہ میں پیدا کر دیا۔ اور دو فرقے کرا دئے۔ اگر واقعی اصلاح دین منظور تھی۔ تو محض ہمدردی دین اور انصاف و تدین سے لاہور آکر شیخ صاحب سے ملتے۔ علمی مذاکرہ بطریق علماء فرماتے۔ تحقیق کرتے۔ اور ان کے اعمال و افعال سے واقفیت حاصل کرتے۔ اور بعد تحقیق جو کچھ برائے محض و بہ دین سے خالصاً للہ ہوتی ظاہر فرماتے۔ اس میں کسی شخص کو جائے اعتراض باقی نہ رہتی۔ نہ یہ کہ محض چند جھوٹی خبروں پر (جن کا منبع خالص

دشمن خدا کا گھر ہے) عالم ہو کر ایک عالم متدین کی نسبت ایسے الزامات نہ لگاتے۔ جس سے جملہ اہل ایمان کے دل ہل جائیں۔ اور آپ خود مستحق حد قذف ٹھیرے ہیں۔ علماء کی یہ شان نہیں ہے۔ اگر کسی جاہل سے ایسا ہو جاتا۔ تو جائے تعجب نہ تھی۔ زیادہ تر اس امر کا افسوس ہے اور اسی پر اعتراض۔ کہ از روئے انصاف و تدین و اخلاص کچھ نہ کیا گیا۔ اور کوئی بات قاعدے کی نہ ہوئی۔ جس سے اہل عقل و بصیرت پر کوئی اچھا اثر پڑ سکے۔ یہ کام علماء کے نہیں ہیں۔ جو آپ نے کئے۔ اور صرف آپ ہی نے سب سے زیادہ علمائے اعلام کو بدنام کیا۔ سرکار علامہ کی بعض تقریرات علیہ کا خلاصہ ہم خود شائع کرینگے۔ اور پبلک کو دکھلائینگے۔ اور اس وقت آپکی اور آپکے تلامذہ کی لیاقت کا اندازہ کیا جائیگا۔ اور اعتراضات کی حقیقت کھل جائیگی +

ایک اور خط اور مزید نصیحتیں

۔ موصولہ ۲۰ نومبر ۱۹۰۹ء۔ یہ خط اڈیٹر ناظم الہند کے کسی خط کا جواب معلوم ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے:۔

عزیزی حرسہ اللہ۔ بعد سلام آج تمہارا خط آیا۔ جب تو نیزہ پانی چڑھا چکے۔ ہم نے تمکو اپنا خاص عزیز اور معزز سمجھ کر اور مولوی محسن علی صاحب کو بھی اپنا دوست اور ہمراز سمجھ کر لکھا تھا۔ سو تم دونوں نے قبل از وقت افشاء راز کر دیا۔ تمکو معلوم ہے۔ کہ جو کچھ مشاجرہ اور مباحثہ بیجا درج اخبار ناظم الہند اور اثنا عشری ہو رہا ہے۔ وہ حملہ در چشم مولوی ناصر حسین اطال عمرہ پر ہے۔ اور میں بوجہ قرابت کے چپ رہا۔ کہ لوگ میری تحریر کو محمول جنبہ داری پر کرینگے۔ مگر جب عام علماء پر ناظم الہند نے سختی شروع کی جو مطلوب خواجہ غلام الثقلین اور گروہ نیچریوں کا ہے۔ اور پنجاب ہی کے مومنین نے مجھ پر زور دیا۔ کہ اب تو علمائے گذشتہ و حال سب کو بیدین اور کافر بنانے کی ناظم الہند میں نوبت آگئی۔ اب آپکا چپ رہنا حرام ہے۔ ناچار مجھے کمر ہمت باندھنی پڑی۔ اب میں بہمہ وجوہ مستعد ہوں۔ پرسوں جناب شیخ صاحب کا بھی خط آیا ہے۔ اور شائد عراق جانے کا اپنا ارادہ لکھا ہے۔ میری دوست [illegible] ہے۔ کہ اُن کو علما عراق سے رجوع کرنا نہایت ضرور ہے۔ مگر وہ جناب اُنکی اجازت کو مجہولی اور [illegible] سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ تمام عالم کی مرجعیت اُسی گروہ کی طرف ہے۔ مولوی محسن علی صاحب نے بھی ایک مضمون میں لکھا ہے۔ کہ وہ مجتہد بننا اور مرجع عوام ہونا پسند نہیں کرتے۔ اچھی بات ہے۔ اور میں نے بھی [illegible] اپنی نسبت مجتہد ہونے کا [illegible] ہے۔ مگر تقریر محض اہل خبرت کی ضرورت ہے۔ اخباری شیعہ یا اصولی دونوں اس کے پابند ہیں۔ اور یہ مسئلہ اجماع محقق اور برہان سے بھی

ثابت ہے۔ تم ہو یا کوئی اور شیعہ کسی عالم کے پیرو بنو۔ اور اس کو اپنا مقتدا بنا لو۔ بدون اس کے
کہ علمائے معتمدین اُس کی توثیق کریں ہرگز نہیں کر سکتے۔ ثنا اور صفت میں جناب شیخ صاحب کی جس قدر مبالغہ
کرو بہتر ہے۔ مگر تقلید اور پیروی دوسری بات ہے۔ کل شبہات کا رفع اسی تدبیر سے ہو سکتا ہے۔
کہ عراق سے اُنکی توثیق ہو جائے۔ میرے پاس جس قدر شہادت آپکی مخالف گذری ہیں جسکی
وجہ سے میں نے تمکو اور مولوی محسن علی صاحب کو لکھا تھا۔ اور سب کی تصحیح اور تکمیل میں کر رہا
ہوں۔ مگر یاد رہے۔ مجھے جناب شیخ صاحب سے کوئی ذاتی مخالفت نہیں ہے۔ ہاں رفع شبہات
واجب ہے۔ اور اس کی آسان تجویز یہی ہے۔ اُن کے مواعظ اور مکارم اخلاق اور حسن معاشرت
سب کچھ صحیح اور درست ہے۔ مگر اُن کو عالم دین سمجھنا بدون توثیق ارکان دین کے کبھی روا نہ ہوگا
جعفر حسین بی۔ اے جنکو تم نے میرا خط پڑھا دیا ہے۔ انہوں نے دو خطوط طولانی مجھے لکھے۔
دس یوم ہوئے۔ ایک پمفلٹ میرا اُن کے نام روانہ ہوا ہے۔ اُسکو پڑھو۔ اور ناظم السند میں اس
جھگڑے کو اگر میری رائے سے پہلے چھاپ بند کر دیتے۔ تو آج یہ شکر رنجی جو تمکو اور مولوی محسن علی
صاحب کو مجھ سے ہوئی ہے نہ ہوتی۔ مگر یاد رہے۔ کہ میں تم دونوں کی محبت سے کبھی جدا نہ
ہونگا۔ اور اپنا لخت جگر تمکو سمجھونگا۔ مولوی محسن علی صاحب کو سلام مسنون۔
دین میں احتیاط لازم ہے۔ دیکھو قادیانی فرقہ تین لاکھ تک پہنچا۔ مگر آخر کار فریب
ہی ظاہر ہوا۔ اگر تم اخباری ہو تب بھی اور اصولی ہو تب بھی وہی کرو۔ جو طریقہ اہل علم کا ہے۔
اور جس کو ائمہ ع نے جاری فرمایا ہے۔ شیخ صاحب کی محبت اور تعظیم اور بات ہے۔ اور اُن کو
یا مجھے یا کسی اور کو اپنا پیشوا بنانا اور بات ہے۔ دو پیسے کی ہانڈی آدمی ٹھونک بجا کر خرید
کرتا ہے۔ اور یہ آخرت کا سودا ہے۔ کونسے عالم کی توثیق تم نے اُن کے عالم دین ہونے
کی ایسی دیکھی ہے۔ جس پر یہ زور شور مچا رکھا ہے۔ فقط۔ غلام حسنین۔
خالص افتراء ہے۔ نہ کسی نے علماء اسلام کو برا کہا۔ اور نہ معاذ اللہ کافر بنایا۔ ناظم السند
کی عبارات بجنسہ نقل کی جا چکی ہیں۔ ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔ عوام کو فریب دینے کے لئے
یہ فقرہ گھڑ لیا ہے۔ کیونکہ اور کوئی حربہ پبلک کو بہکانے کا نہ تھا۔ اور علمی میدان میں
کامیابی ناممکن تھی۔ ایڈیٹر ناظم السند کو شیخ صاحب کی تصدیق کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ
وہ ایک عالم دین جان کر مواعظ میں شریک ہوتے۔ اور فیض صحبت سے مستفیض۔ معارف
دینیہ حاصل کرتے اور نور ایمان بڑھاتے ہیں۔ وہ ان کو پیشوا اور امام بنایا ہے۔ اور نہ انکی

تقلید کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پیشہ ور مجتہد نہیں ہیں۔ خود عالم ہیں۔ اپنے علم و تحقیق پر عمل کرتے ہیں۔ اور نہ خود اُن کو اپنی تصدیق کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ یہاں اندھے مرید بنانے اور دو کان کھولنی ان کا مقصود نہیں ہے۔ عالم دین کے لئے اظہار علم فرض ہے۔ اس کو وہ ادا کرتے ہیں۔ جس کو دعوے ہو۔ آئے اور علم میں ان سے گفتگو کرے۔ اُن کی صداقت کی دلیل خود ان کا علم ہے۔ جو دلیل وجودی ہے۔ وہ دلیل خارجی کی محتاج نہیں جس سے حق کبھی ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے تصدیق شدہ مجتہد اور علماء بہت سے پھرتے ہیں جن عالم کی دلیل علم ہے نہ غیر۔ جو دلیل وجودی نہیں رکھتے۔ وہ دوسروں کی تصدیق و تعریف کے محتاج ہیں۔ ورنہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" ✣

نقل صحائف علماء اعلام عراق متعنا اللہ بطول بقائهم

بہر حال ہمارے نزدیک ان کے لئے کسی دوسرے عالم کی تصدیق و تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اُن لوگوں کی خاطر جو اپنی عقل سے کام نہیں لینا چاہتے۔ اور تمام امور دینی و دنیاوی کا مدار دوسروں کی عقلوں کو قرار دیتے ہیں بعض تحریرات علماء اعلام عراق کثرہم اللہ بھی درج کئے دیتے ہیں۔ تاکہ آئندہ کسی طرح زبان طعن کھولنے کا موقع نہ ملے۔ وھی ھذہ:-

نمبرہ - ۱۱۷ - بتاریخ ۱۵ شہر ذیحجۃ الحرام ۱۳۴۱ھ — اتحادیہ علمیہ کربلائے معلّٰی

خدمت عموم علماء اعلام مروّج اسلام و لذا بان فخام و راجگان عظام و تجار کرام و اشراف و اعیان و سائر اخوان از اہل اسلام مقیمین ہندوستان دامت تائیداتہم عرضہ میداریم کہ جناب مستطاب شریعت مدار نحریر فرزانہ و فاضل یگانہ العالم الفاضل الکامل عمدۃ العلماء الاعلام مروج الاحکام شمس الظلام ظہیر الاسلام الشہیر الکبیر الذی حیٰ الصفات علی اغنی الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی دامت برکاتہ از اوائل عمر در سنین متوقع و متمادی ترویج اسلام و نشر احکام شریعت مقدسہ حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام فریضہ ذمہ خویش قرار دادہ۔ و بجہ و جہد تمام در طریق مستقیم قیام و اقدام فرمودہ و ابذل مساعی جمیلہ مالاً و جاناً درین مقصد بزرگ عظیم فروگذار نفرمودہ اند "جزاہ اللہ عن الاسلام خیراً" اینک از بعض مکاتیب واصلہ ہندوستان چنین مستفاد میشود۔ کہ بعض اشخاص بے خبر از خدا و جاہل کہ متلبس بلباس علماء گردیدہ و در مقام عالیہ ایشان نشستہ و از حضرت سبحانہ شرم نکردہ۔ فتوے بغیر ما انزل اللہ میدہند و اغراض شخصیہ و شہوت نفسانیہ مزاحمت آں وجود محترم را نمایند۔ و افتراآت باں وجود شرافت نمود میبندند و نشر اکاذیب میکنند لذا محض اظہار حق و ارد

باطل لازم شد۔ کہ این مختصر در شرح حالات و مقام شامخ آن وجود مبارک نگارش و سفارشش شود۔ و بالجملہ امروز برائے مسلمانان مثل آن وجود محترم غنیمت است۔ باید خیلے قدر آن وجود مبارک را بدانند۔ و گوش باقاویل فاسدۂ معترضین ندہند۔ و در تجلیل و احترام و پذیرائی و امتثال فرمائشات ایشان کوتاہی و خودداری نکنند۔ ہرکس بخصوصیات حالات ایشان مطلع نیست از حضرت مستطاب ملاذ الانام ملجاء الخاص والعام و مبین شریعت سید الانام حجۃ الاسلام آقائی حاج سید مصطفیٰ الکاشانی آیۃ اللہ علی العباد مد ظلہ العالی جویا و مستفسر شوند۔ زیادہ برین مزاحم نمیشویم +

محل مہر شریف اتحادیہ علمیہ کربلائے معلیٰ

ایضاً۔ عموم اخوان مسلمین و برادران ایمانی و احباب روحانی ساکنین ہندوستان را زحمت میدہد و اعلام میدارد کہ جناب مستطاب عمدۃ الاعلام مروج الاحکام کہف الانام اعتضاد الملۃ و نصیر الاسلام آقائی حاج شیخ عبد العلی الہروی الطہرانی دامت افاضاتہ کہ بحمد اللہ تعالیٰ صاحب مجد و شرافت و حاوی اخلاق حمیدہ و خصائل پسندیدہ ہستند از سوابق ایام در اعلاء کلمہ حقہ اسلامیہ و ترویج شریعت مقدسہ محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام و حث و ترغیب مسلمانان باتحاد و اتفاق و نصح و تحذیر ایشان در نفاق و اختلاف جد دائمی داشتہ۔ و در خیر خواہی و موعظہ اسلامیان چیزے فروگذار نفرمودہ اند فعلی ہذا از تمام برادران اسلامی استدعا آنکہ وجود محترم آنجناب را مغتنم شمردہ و از مواعظہ شافیہ و نصائح مشفقانہ کافیہ آقائی معزی الیہ بہرہ مند گردند۔ و در تحصیل و تکریم و تعظیم آنجناب کوتاہی و خودداری ننمایند۔ تا بالفراغ بال مشغول ترویج اسلام و ہدایت انام بودہ باشند۔ و اگر بعض بضد ایشان قیام نمایند و ایشان را مزاحمت نمایند و معارضہ کنند مبنی بر جہالت در امور دینیہ و مراتب علمیہ و اغراض فاسدۂ شخصیہ است۔ و محل اعتنا نیستند و انشاء اللہ اخوان دینی در خدمات جناب معزی الیہ کوتاہی نخواہند نمود۔ زیادہ طالب سلامتی +

الاحقر الجانی سید علی التبریزی عفی اللہ عنہ محل مہر شریف

ایضاً۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدمت عموم برادران ایمانی و احباب روحانی ساکنین پنجاب و لاہور وفقہم اللہ تعالیٰ زحمت میدہد و اعلام میدارد۔ کہ جناب مستطاب عمدۃ الاعلام مروج الاحکام ملاذ الانام اعتضاد الملۃ نصیر الاسلام آقائی حاج شیخ عبد العلی الہروی الطہرانی دامت افاضاتہ کہ حاوی مجد و شرافت و مجمع اخلاق حمیدہ و خصال پسندیدہ ہستند در سوابق ایام در اعلاء کلمہ حقہ اسلامیہ و ترویج شریعہ مقدسہ محمدیہ علی الصادع بہا آلاف التحیۃ والسلام و حث و ترغیب مسلمانان باتحاد و اتفاق و

نصیحت تحذیر ایشان از اختلاف ونفاق صدے وافی داشتہ ودرخیرخواہی وموعظہ اسلامیان فروگذا
نفرمودہ اند۔ فعلی ہذا ازعموم برادران ایمانی استدعا میشود۔ بوجود محترم آنجناب را مغتنم شمردہ از بیانات
شافیہ ونصائح حکیمانہ کافیہ آقائے معزی الیہ بہرہ مند ومستفیض گردند۔ ودر تجلیل وتکریم وتعظیم
آنجناب کوتاہی وخودداری نفرمایند۔ تا بالفراغ بال وکمال اقتدار مشغول ترویج اسلام وہدایت
وارشاد انام بودہ باشند۔ انشاء اللہ تعالیٰ اخوان دینی در خدمات وتجلیلات آقائے معزی الیہ
دریغ ومضائقہ نمیفرمایند۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ +

من الداعی المصطفیٰ الحسینی الکاشانی الغروی — محل مہر شریف

ماحصل تحریر اوّل

جمیع علماء اعلام۔ نواب وراجگان وتجار وشرفاء وامراء ودیگر برادران اسلامی ہندوستان کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ جناب مستطاب شریعت مدار نحریر بغزارت وفاضل یگانہ العالم الفاضل الکامل عمدۃ العلماء الاعلام مروج الاحکام شمس الظلام ظہیر الاسلام الشہیر الکبیر الذی ہو نفی الصفات علی العینی الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی دامت برکاتہ نے ہر موقع وہر مقام میں ترویج اسلام اور نشر احکام شریعت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا فرض قرار دیا ہوا ہے۔ اور بکمال جد وجہد اس راہ مستقیم پر قائم ہیں۔ اور اس مقصد بزرگ میں جان ومال سے دریغ نہیں فرمایا۔ اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ خدا ان کو اسلام کی طرف سے بہترین جزا مرحمت فرمائے۔ ہندوستان سے آئے ہوئے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض اشخاص جو خدا سے بے خبر اور جاہل ہیں۔ علماء کے لباس میں مزین ہو کر اعلیٰ مقام عالی پر بیٹھ کر اور خدا سے شرم نہ کرکے خلاف حکم خدا فتوے دیتے ہیں۔ اور اغراض شخصیہ اور شہوات نفسانیہ کی وجہ سے اس وجود محترم کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اور اس وجود شریف پر افتراء کرتے اور جھوٹی باتیں شائع کرتے ہیں۔ لہٰذا محض اظہار حق ورد باطل کی غرض سے یہ مختصر تحریر اس وجود مبارک کے حالات میں لکھی گئی۔ اس زمانے میں اہل اسلام کے لئے یہ وجود محترم بسا غنیمت ہے۔ اس کی قدر جانیں اور معترضین کی بکواس پر کان نہ دھریں۔ اور ان کے احترام واکرام وتعظیم اور ان کی فرمائشات کی فرمانبرداری میں کوتاہی اور خودداری اختیار نہ کریں۔ اور جو شخص خود اس وجود محترم کے حالات سے واقف نہیں ہے۔ اس کو چاہیئے۔ کہ جناب مستطاب ملاذ الانام ملجاء الخاص والعام مبین شریعت سید الانام حجۃ الاسلام آقا حاجی سید مصطفیٰ الکاشانی النجفی مدظلہ العالی سے دریافت فرمالیں۔ اس سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی +

جانشین ... خراسانی اعلی اللہ مقامہ +

چونکہ دیگر تحریرات کا مطلب بھی قریب قریب یہی ہے۔ اس لئے ان کے ترجمے کی ضرورت نہیں ہے۔ باسواد حضرات خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے جس کے جناب علامہ کنتوری صاحب طالب ہیں۔ یہی بیانات وتحریرات کافی ووافی ہیں۔ دیکھیں اس کے بعد جناب علامہ کیا فرمائینگے اور کیا فتوے دینگے ÷

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب حجۃ الاسلام آقا شیخ الشریعۃ الاصفہانی مدظلہ العالی کی ایک تحریر یہاں اور درج کردی جائے۔ جو فائدے سے خالی نہ ہوگی۔ وھو ھذا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مخفی نماند بر اخوان مومنین از اہل لاہور و پنجاب وغیرہم آنکہ جناب مستطاب آقائی آقا سید علی حائری لاہوری حسب آنچہ از مقامات عالیہ ایشاں دست آورده ام و جازم ہستم نائل بدرجہ رفیعہ اجتہاد نیستند و قوت رد فروع بر اصول ندارند و مقتضائے حسن ظن بدرایت و دیانت ایشاں آنست۔ کہ خود ایشاں ہم مدعی وصول بایں مقام نیستند۔ و اگر کسے جہلاً یا تجاہلاً دعوے چنیں امرے برائے ایشاں نماید۔ خود ایشاں ردع و زجر خواہند نمود و تصدی آنچہ از خواص مجتہدین است از افتاء و قضاء بر خود حرام خواہند شمرد۔ و بعضے کلمات کہ خطاءً یا مسامحۃً در تقریظات تفسیر ایشاں نوشتہ شده است کسے آنہا را مستند و حجت برائے ایں مطلب نداند۔ فتح اللہ الغروی الاصفہانی الشہیر بشیخ الشریعۃ ÷

ترجمہ۔ برادران مومنین لاہور و پنجاب وغیرہم پر پوشیدہ نہ ہے۔ کہ جناب مستطاب آقا مولوی سید علی حائری لاہوری کے مقامات عالیہ سے جو مجھے معلوم ہوا ہے۔ اور اس کا یقین ہے۔ اس کی رو سے وہ درجہ رفیعہ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں۔ اور ان میں قوۃ استنباط و رد فروع بر اصول نہیں ہے۔ اور ان کی درایت و دیانت کے لحاظ سے مقتضائے حسن ظن یہ ہے۔ کہ وہ خود بھی اس مرتبے پر پہنچنے اور مجتہد ہونے کے مدعی نہ ہونگے۔ اور اگر کوئی شخص از روئے جہالت یا تجاہل ان کے مجتہد ہونے کا دعوے کرے۔ تو وہ خود اس کو تنبیہ اور منع کردینگے۔ اور امور مخصوصہ مجتہدین یعنی امر دین میں فیصلہ اور فتوے دینے کو اپنے اوپر حرام جانینگے۔ اور جو بعض کلمات انکی تفسیر کی تقریظات میں غلطی یا سہل انگاری سے لکھے گئے ہیں۔ کوئی شخص اس کو ان کے اجتہاد کی سند وحجت قرار نہ دے ÷ حررہ الجانی فتح اللہ الغروی الاصفہانی المشتہر بشیخ الشریعۃ۔

خط جناب کنتوری بنام مولوی سید شریف حسین صاحب بھریلوی۔ موصولہ

۲۷ر نومبر ۱۹۰۹ء :-

برادرم سلمہ اللہ - بعد سلام آپ کا خط مع اور چند خطوط کے آیا معہ - مجھے کلمات سخت سے بعض لوگوں نے یاد کیا جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں - مگر جو شبہات لوگوں نے مجھ پر نسبت جناب شیخ کے ظاہر کئے ہیں - اُن کو دو سکرنا کہ غلط ثابت ہوں یا صحیح مجھ پر کیا ہر ایک برادر مومن پر واجب ہے - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے جناب معلوم سے کسی قسم کی ذاتی پرخاش نہیں ہے - اور نہ مجھ سے اُن سے کسی امر مذہبی میں بحث مباحثہ ہوا - ہاں اخبار ناظم الہند میں جو کچھ علمائے اعلام کی شان میں چھپ رہا ہے جس کا انتساب مولوی محسن علی صاحب کی طرف ہے - اور میں نے چند بار اس کو روکا - مگر کچھ اثر پذیر نہ ہوا - اور ایک رازکی بات کو ایڈیٹر اخبار نے یا مولوی صاحب نے عام طور پر مشتہر کر دیا جس پر یہ زور شور ہو رہا ہے - ضرور یہ امر خلاف رازداری تھا - خیر میں نے منشی جعفر حسین صاحب بی - اے کی تحریرات کا جواب مفصل روانہ کر دیا ہے - آپ بھی اُسے پڑھیں - اور یقین کر لیں کہ میری کوئی غرض فاسد اس تحقیق میں نہیں ہے - اور میں نے تحقیق حق کی نظر سے اس امر کا جانچنا شروع کر دیا ہے - آپ پر اور جملہ مومنین پر واجب ہے - کسی عالم کو عالم دین اور اپنا پیشوا ماننا بعد من اس کے کہ اُس کی توثیق علمائے اعلام کر دیں ہرگز روا نہیں ہے - اسی نظر سے ہم نے اس شبہ کے دفع کرنے کے لئے یہی آسان تدبیر تجویز کی ہے - کہ جناب شیخ صاحب جس طرح تمام علماء اور فضلاء کی توثیق کا مرجع عراق ہے وہ بھی اُسی طرف رجوع کریں - اور ہم بھی اُن کے حالات کو نجف اشرف اور کربلائے معلّےٰ کے علماء سے پوچھیں انشاءاللہ یہ شبہات سب دور ہو جائیں گے یا یہ کہ صحیح ہو جائیں گے - اِس لئے کہ جناب ممدوح بھی اُن علماء پر اپنا بھروسہ کرتے ہیں - اور جب تک عراق سے اس کی تحقیق نہ ہو جائے - اُن کی نسبت کسی امر خیر یا شر کا الزام مشتہر کرنا مجھے ہرگز پسند نہیں - بہت بُرا تھا کہ میرے خطوط کو مشتہر کر دیا - انعام اور خاص میں اس کی شہرت قبل از وقت کر دی - شاید آپ بھی اس کو پسند نہ کریں گے - یہ تو ممکن نہیں کہ اصلی حالت پوشیدہ رہے - ہاں دیر ضرور ہو گی - اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے - چونکہ بعض افاضل نے مجھ سے یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ اُن کے رو برو اقرار بابیت کا جناب ممدوح نے کیا ہے - اور وہ بزرگ اب مقیم نجف ہیں - اور تحصیل علوم دینیہ فرما رہے ہیں - لہذا یا تو شیخ عبد العلی کوئی شخص ہمنام اُن کا ہوگا - اور جناب شیخ اور بزرگ ہیں - یا یہ کہ وہی ہوں گے - اور اب اُن کا عقیدہ پاک ہو گیا ہے - خطا ہم چہ گفتہ - سب آپ لوگوں کے معبوز را انداز میں اِن کے بیانات ضرور صحیح ہیں - اور میں کسی برادر ایمانی کو کاذب نہیں کہتا - مگر آپ لوگ فرقہ معتدل میں ہو رہے - اور دوسرے حضرات فرقہ جارح میں - اور دونوں بے لگاؤ نہیں - اب حکم شرع اور عقل یہی ہے کہ

جرح کرنے والے کا قول مقدم ہے۔ مگر میں بدون تحقیق علمائے عراق کے پھر بھی توقف کرونگا +

قطع نظر اقرار بابیت کے واقعہ طہران اور جمہوری قائم کرنا اور پارلیمنٹ کے قائم ہونے کی کوشش کرنی جس کی وجہ سے کیسے کیسے نفوس قدسیہ علماء مقتول ہوتے۔ اور کیسی اہانت دین کی ہوئی۔ اور روضۂ مبارک امام رضا علیہ السلام کا اور مساجد پر گولہ باری ہوئی۔ اور وہ سلطنت جس کا شیعوں کو بھروسہ تھا۔ اور کس قدر علماء کی قدر و منزلت کرتی تھی۔ چند تعلیم یافتہ نیچریوں کی جمہوری پکار سے دشمن دین اور علمائے دین ہو کر مٹ گئی اور وہی امور نامشروعہ جو یورپ کی پارلیمنٹوں میں جاری ہیں۔ وہاں بھی جاری ہوئے اور ہونگے۔ ترکی سلطنت اسلامیہ کو دیکھو۔ اور فنانشل کمشنر انگریزیکا مقرر ہونا۔ بہرحال جناب آقا سرآمد مجتہدین کا اس پارلیمنٹ کے قائم کرنے سے ہمیشہ مخالف رہنا۔ اور اس کی وجہ سے ان پر کیسے کیسے حملے ان لوگوں کے ہوئے کہ مجبور ہو کر اس جناب کو بھی براہ تقیہ فتوئے جواز دینا پڑا۔ یہی ایک ایسا بڑا مفسدہ ہے۔ جس کو اگر سوچا جائے۔ تو کیسی بُری بات ہے۔ اور جناب شیخ صاحب کو اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ جو خط میرے نام پر لکھا ہے۔ جس کی نقل میں نے دی لیوم جعفر حسین صاحب بی۔ اے کے پاس روانہ کر دی ہے۔ بحث مباحثہ کو تو ہر امر میں گنجائش ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں بھی کسی قدر بحث کر سکتا ہوں۔ مگر ہمارے ہادیان برحق نے ہمکو امور سلطنت جور میں مداخلت سے کس قدر منع فرمایا ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے ولیعہدی کی منظوری کس مجبوری سے فرمائی۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں۔ یہی سلطنت ایران ہے۔ کہ جناب آقا مہدی مرحوم کے جہاد سے آدھی سلطنت روسیہ کے قبضہ میں چلی گئی +

خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک یہی کام جناب شیخ صاحب اور ایڈیٹر اخبار حبل المتین کا ایسا ہے۔ کہ اہل علم کی شان سے کس قدر بعید ہے۔ اور امور سلطنت جور میں اصلاح یا افساد کرنے سے علماء کو کونسی آیت یا حدیث اجازت دیتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس کو بھی داخل نہ سمجھنا۔ پھر چونکہ جناب شیخ آپکو مجتہد نہیں فرماتے۔ اور نہ آپکو اخباری کہتے ہیں۔ اب سوائے مقلد کے اور کیا ہے۔ آخر کس مجتہد نے خلاف حکم خدا و رسولؐ ان کو حکم دیا۔ کہ امور سلطنت جور میں مداخلت کرو۔ دیکھو خلفائے جور کے زمانے میں کیسے کیسے امور ظلم اور جور کے ہوتے تھے۔ اور ائمہ علیہم السلام نے کبھی کسی امر میں دخل نہ دیا۔ اپنا شہید ہو جانا۔ بلکہ خود جناب امیرؑ نے فرمایا۔ او اصبر علی طخیۃ عمیا۔ شرائع دین برہم ہے۔ ظلم اور جور کا طوفان تھا۔ مگر کسی امامؑ نے کبھی دخل نہ دیا۔ ہم اگر پیرو اپنے ائمہؑ کے ہیں۔ تا زمانہ رجعت یا ظہور جناب صاحبؑ ہمکو صبر اور سکوت کرنا واجب ہے + یورپ کی جمہوری دو سو برس کے

قتل اور سفارت کے بعد اب قائم ہوئی ہے۔ کیا آپ کو اُمید ہے۔ کہ ایران اور ترکی میں جمہوریت وہی چار سال میں قائم ہو جائیگی۔ لا و اللہ کبھی نہ ہوگی۔ اور اگر ہو بھی۔ تو ہم کو کیا۔ ہم اگر ایسے کذائیہ میں کوشش کریں۔ اور مومنین اور علماء کا قتل قمع ہو۔ تو خون شہدا تمام بگردن ما۔ یہی ایک اتنا بڑا الزام جناب شیخ پر ہے۔ اور اس کا اقرار اُن کو ہے۔ کہ ہرگز اس سے برأت ہو نہیں سکتی۔ اور تقریر اور تاویل کو بڑی گنجائش ہے۔ اگر دیگر علماء و مجتہدین کی نظیر دیجے۔ تو وہ بزرگوار بانی فساد نہ تھے۔ بلکہ اُنہوں نے کسی مسئلہ شرعیہ کا اظہار فرمایا ہے اور فتوے دیا ہے۔ مجلس شورائے ملی یہ محض فریب دینے کی بات ہے۔ آج کے اخبارات کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور بادشاہ معزول نے بوشہر سے جو اعلان کیا تھا۔ کہ اس پارلیمنٹ میں حدود شرعیہ کا ناس ہو جائیگا۔ بہرحال ایسے ایسے امور جن کا اقرار جناب شیخ صاحب کو ہے۔ ضرور ہم کو اُن کے تقدس سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ آئندہ جو جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچیگی۔ آپکو بھی ظاہر ہو جائیگی۔ یہی جمہوری وہ چیز ہے۔ کہ پہلا مفسدہ اسلام میں اسی کا پڑا ہے۔ خلافت جمہوری۔ آپ کو لازم ہے۔ کہ اہل علم کی طرح تحقیق حق کیجے نہ عوام کی طرح شور اور غل کرنا جس طرح منشی جعفر حسین صاحب بی۔ اے نے تحقیق پر توجہ کی ہے۔ والسلام

غلام حسنین

اس صحیفے میں بھی جناب علامہ کنتوری صاحب اسی تحقیق و تصدیق کے خواہاں ہیں۔ اور مشک کی خوشبو کا ثبوت منطقی دلائل سے مانگتے ہیں۔ اور ان امور کا ہم مکمل جواب دے چکے۔ اور جواب خاص یعنی آپکی تصدیق راوی ابھی پیش کی جاتی ہے۔ سب سے اہم مضمون اس خط میں یہ ہے۔ کہ قیام پارلیمنٹ ایران شیخ صاحب کا جرم عظیم ہے۔ تین جرم پہلے مذکور ہوئے ہیں۔ ایک یہ ان کے خیال میں سرکار شیخ صاحب علماء کے مخالف اور نیچی قوموں مثل خواجہ غلام الثقلین صاحب چاہتے ہیں۔ دوم مسئلہ قرأت و کتابت کا چھیڑنا۔ سوم جناب مولانا عنایت علی صاحب مرحوم کی توصیف کرنا۔ چہارم یہ کہ پارلیمنٹ ایران کا قائم کرنا۔ تین علماء کا جواب تو خود تحریرات دینگی۔ اور اہل علم جانتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ علمی میں بحث کر کے وہ غلطی کو رفع کرنا کوئی جرم ہے۔ اور اسی کو توہین علماء کہتے ہیں۔ تو یہ ایسا جرم ہے۔ جس سے کوئی غیر معصوم انسان بچ نہیں سکتا۔ اور یہ ایک ایسا گناہ ہے۔ جس سے توبہ ناممکن۔ اور تمام علماء اعلام رضوان اللہ علیہم اس کے مرتکب رہے ہیں۔ اور عالم کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور غلطی کو رفع جس طرح آپ محض وسوسوں سے جناب میر عنایت علی صاحب مرحوم کے مخالف تھے۔ اور ان کو ہندوستان سے نکلوانے کے درپے۔ کہ وہ آپ کے نزدیک جاہل تھے۔ اور غلط روایات و مسائل بیان کرتے تھے۔ اسی طرح جناب علامہ ہروی مع دیگر علماء اس فرض دینی کو ادا کر رہے ہیں۔ اور حتے الامکان غلطی رفع کرنے کی کوشش۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ آپ جناب مولانا مرحوم کو

نقصان پہنچانے اور ان کو ان اضلاع سے نکلوانے کے درپے تھے۔ اور یہاں صرف علمی مباحثہ ہے اور رفع اغلاط۔ نہ یہ کہ کسی کو کسی ضلع خاص یا صوبۂ خاص سے نکلوانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور مسئلہ قرأت و کتابت کے چھیڑنے کے اگر مرتکب ہو سکتے ہیں۔ تو خود مفتی صاحب۔ جنہوں نے باوجودیکہ یہ ایسا مسئلہ تھا جس کو علماء متقدمین معرض بحث میں نہ لائے تھے۔ اس کو تحریر کیا۔ اور پھر اخبار میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ کوئی جرم ہے۔ اور کوئی مفسدہ ہے۔ تو اس کے ذمہ دار جناب مفتی صاحب اور وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ایسے مسئلہ کی اشاعت کی۔ نہ شیخ صاحب۔ کیا شیخ صاحب جناب مفتی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر یہ مسئلہ لکھوا آئے تھے؟ یہ مفسدہ صرف آپکی بدظنیوں نے پیدا کیا ہے۔ ورنہ کیا تھا علمی بحث تھی۔ ہوتی۔ اس کو فسادات سے کیا تعلق تھا۔ علماء میں علمی خدا کرے مباحثے ہوا ہی کرتے ہیں۔ مگر کبھی نہیں ہوتا کہ بحث میں مجوج و مغلوب ہو کر علماء گالیاں دینے شخصیات پر حملے اور اتہامات لگانے شروع کر دیتے ہیں۔ اور فحش سے فحش الزام لگاتے ہیں۔ یہ اراذل اقوام اور کمینوں کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور مولوی عنایت علی صاحب کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں۔ اگر انہوں نے انکی تعریف کی ہے۔ تو ایک سید مومن متدین اور عالم دین سمجھ کر کی ہوگی۔ اور یہ کوئی جرم نہیں۔ سچے کی یہی تعریف ہے۔ کہ سچ بولے اور سچے کی تصدیق کرے۔ رہا پارلیمنٹ کا قیام اور اس کی اہمیت سو اس کی بابت ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے علماء اعلام کی منقولہ ذیل تحریر کافی ہے:۔

فتاوائے حجج اسلام نجف اشرف درباب انعقاد مجلس شورائے ایران

سوالات بعالیخدمت آقایان حجج الاسلام پیشوایان ملت بیضا و مروجین شریعت غرّا ادام اللہ برکاتہم ومتع اللہ المسلمین بطول بقائہم +

سوال اوّل۔ آیا انعقاد مجلس (بہارستان طہران) بحکم وفتوائے حجج اسلامیہ کثراللہ امثالہم بودہ است یا نہ و آنحا مخالفین آں مجلس را محارب باصاحب شریعت و مطاعت مخالف را اطاعت جبت و طاغوت و حامیان استبداد را للہ معاونین یزید ابن معاویہ شمردہ اید یا نہ حقیقت حال را منکشف فرمائید؟

جواب از سوال اوّل۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بلے استقرار شروطیت دولت ایران و عقد مجلس شورا چوں موجب قطع ید تعدی و تطاول ظالمین بر نفوس و اعراض و اموال مسلمین و منع از ارتکابات خلاف شرع است۔ لہٰذا احکام کثیرہ ازیں خدام شرع انور بر وجوب تشیید۔ ایں اساس قویم و تصریح باینکہ مخالفت بمنزلہ محاربت با امام زماں ارواحنا فداہ است۔ و اعانت از استبداد و خیال ما یشاء بودن ظلمہ بمنزلہ اعانت یزید ابن معاویہ و با مسلمانی منافی است۔ از ایں خدام شرع انور صادر گردیدہ۔ صورت احکام مزبورہ و عکس آنہا منتشر و ہم صحیح و

صادر از داعیان است ◆

سؤال نمرهٔ دوم - آیا محمد علی میرزا مرتد بعد از اینکه تخلف از تحلیف کرده با وجود این مجلس شورای مسلمین را بتوپ بست و خانهٔ خدا را شکست و قرآن را سوخت و دیگر مظالم مذکوره فوق از او سرزده است یا نه - و درصورتیکه سرزده باشد آیا بیچو کسی را تکفیر فرموده اید مصرح بفرمائید - و در حق معاونین بیچو ظالم و جبار اعم از آنکه از زمرهٔ علما باشد یا امرا لشکری یا کشوری چه میفرمائید کافرند یا مسلمان شرحاً مرقوم فرموده شود - تا شبه نماند؟

جواب از نمرهٔ دوم - بلی مشارالیه با نکار ایمان و نوشتن عهدنامه در ظهر کلام الله المجید منهدالنقض عهد و حنث یمین و مخالفت احکام الهیه عز اسمه نموده هم مجلس شورای و توپ بستن بمساجد و هدم و هتک اعراض و اموال مسلمین و سایر شنائع صادره از این سفاک جبار و تمام عالم از اظهر متواترات است - و انکار صدور این شنائع از آن سفاک قتال مسلمین مثل انکار سایر محسوسات و بدیهیات عالم است - و حکم اعانت در ظلم و استبداد و ظالمین و فسق معاون هر که باشد در شرع اسلام از اظهر ضروریات است - و بعد از یکهزار و سی صد و بیست هفت از هجرت مقدسه نبویه صلی الله علیه و آله ضروری شدن تمام این احکام در نزد اهل اسلام گویا حاجت باستفتاء از حق داعیان نباشد - و تمام مسلمانان این احکام را دانسته باشند - و اگر کسی این احکام شرعیه را منکر شود منکر ضروری خواهد بود ◆

سؤال نمرهٔ سوم - در باب سید کاظم طباطبائی یزدی مخصوصاً چه میفرمائید - آیا از معاونین شاه ظالم فاسق جبار است یا نه پس اگر معاون شاه است ظاهر است که بتقویت و دلگرمی و پشتبانی ایشان این همه کفریات بعمل آمده است و بفتوای او مجلس شورا و خانه خدا خراب و قرآن پامال و قتل رجال و نهب اموال و هتک عرض و ناموس و نام و ننگ مسلمانان بعمل آمده است - پس در این صورت در حق ایشان چه حکم است - آیا تقلید بیچو کسی جائز و بقا بر تقلید بیچو کسی جائز است یا نه - و حل این مسئله بسیار اهم است - صرف غطا نکرده اغماض عین از این مسئله موجب ضلالت و گمراهی بسیاری خواهد شد - استدعا داریم که حکم این مسئله را مفصل و واضح مرقوم بفرمائید که قابل تاویل نباشد - که موجب هدایت عامه خواهد شد؟

جواب از نمرهٔ سوم - این مسئله شخصیه را تکلیف داعیان سکوت و جواب ندادن است - معذور بدارید ◆

سؤال نمرهٔ چهارم - در حق اشخاصی که مخالفت از شاه کرده و در پی استرداد حقوق منصوبه خویش افتاده و از پی دفاع ظالم و رفع ظلمند مثل اهالی تبریز و گیلان و ملا اصحاب و مازندران و خراسان و طارسان

واصفہان وغیرہ وغیرہ چہ میفرمائید۔ آیا مجاہد فی سبیل اللہ ند یا نہ اجر جہاد بایشاں دادہ خواہد شد یا نہ ؟

جواب از نمرۂ چہارم۔ بلے اشخاصے کہ در مقام رفع استبداد و ظلم و فعال مایشاء بودن این سفاک قتال مسلمین بر آمدہ اند واز نفوس و اعراض و اموال مسلمین دفاع نمودہ و می نمایند از انصار دین مبین و حماۃ شرع سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ و در زمرۂ مجاہدین فی سبیل اللہ محسوب ند۔ اید ہم اللہ تعالی بنصرہٖ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ +

دستخط و جائے مہر آنحضرت

من الاحقر الجانی محمد کاظم الخراسانی

جناب حجۃ الاسلام شیخ عبداللہ مازندرانی تصدیق میفرماید

بسم اللہ تعالے۔ جواب مسائل اربعہ بطریق است۔ کہ جناب حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام اخوند ملا محمد کاظم خراسانی دام ظلہ العالی مرقوم و توشیح فرمودند +

حررہ الاحقر عبداللہ المازندرانی (جائے مہر)

یہ فتاوے بالصراحۃ شہادت دیتے اور تمام عراق و عرب نہیں بلکہ تمام عالم جانتا ہے۔ کہ پارلیمنٹ ایران بصوابدید علماء اعلام رضوان اللہ علیہم قائم ہوئی تھی۔ اور محض بنظر بقائے دولت ایران و حفظ عرض و ناموس مسلمین علماء نے ایسا کیا تھا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتے۔ تو اہل بصیرت جانتے ہیں۔ کہ ایران کب کا بلا مدافعت و مخالفت قبضۂ غیر میں چلا گیا ہوتا۔ بقائے دولتِ ایران اور دین اسلام کے لئے قیام پارلیمنٹ ضروری سمجھا گیا۔ اور اسی واسطے یہ حضرات علماء فرماتے ہیں۔ کہ مخالف پارلیمنٹ دشمن امام اور امامؑ سے جنگ کرنے والا ہے۔ حامیانِ استبداد خارج از اسلام اور مثل انصار و اعوان یزید پلید ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ انہی حامیانِ استبداد و مخالفین مشروطہ میں جناب کنتوری صاحب بھی داخل ہیں۔ اور وہ بھی بحکم و بتصدیق علماء عراق جن کی تصدیق کے وہ خواہاں تھے یزیدیوں اور قاتلانِ امامؑ و دشمنان دین میں شمار ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ آپ کی نسبت علماء عراق کی پہلی تصدیق ہے۔ دوسری بعد میں مذکور ہوگی۔ اور بہر صورت اگر یہ جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ تو اس میں سرکار شیخ صاحب کے ساتھ بہت سے علماء عراق و عجم شریک ہیں۔ بلکہ باستثنائے ایک دو بزرگوار جملہ علماء اسلام اس میں شریک ہیں۔ اور یہ واقعی ایسا گناہ ہے۔ جس سے کوئی دیندار توبہ نہیں کر سکتا۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ امور سلطنت میں دخل دینا اور اس کی اصلاح حتے الامکان کرنا عرض و ناموس مسلمین کو بچانا علماء کا کام نہیں ہے تو کس کا ہے ؟ کیا یہ کام جہلاء ماوشما کے

انجام دینے کے ہیں؟ اور جب جہلاء کا کام تو امور سلطنت میں دخل دینا اور انکی اصلاح ہے۔ تو علماء کا کیا کام ہے؟ صرف طہارت کے مسئلے یاد کرنا؟ کیسے تعجب اور شرم کا مقام ہے۔ کہ ہمارے علماء کے خیالات ایسے پست اور اس کوتاہ اندیشی پر مبنی ہیں۔ ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ مسلمان ترقی کریں۔ ہمارے نزدیک اس میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ صاحبان حل و عقد اور ارکانِ سلطنت در اصل علماء ہی ہیں۔ اور جملہ امور کی اصلاح حتے الامکان انہی کا فرض ہے جہال اور عوام علماء کے تابع ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے بھی عقلاء و علماء کا امور سلطنت میں دخل دینا اور حتے المقدور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے۔ کہ ترقی و قیامِ دین سلطنت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور بلا طاقت سلطنت کوئی مذہب اپنے کمال عروج پر نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ علماء ایسا ہی کرتے رہے۔ اور جب جن کو موقع ملا ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔ ہاں وہ مُلّا بیچارے جنہوں نے مسجد کی روٹیوں پر بسر کی ہو۔ اور کچھ نہ ہوسکنے کی وجہ سے عربی پڑھ گئے ہوں۔ ان کو یہ لیاقت کہاں۔ کہ امور سلطنت کو سمجھ سکیں۔ اور اس کے متعلق اپنی تکالیف کو ادا کر سکیں۔ ائمہ علیہم السلام نے سلطنت کے حاصل کرنے اور اس کی اصلاح میں وہاں تک کوشش کی۔ جہاں تک کہ ان کے امکان میں تھی۔ لیکن جب بالکل مجبور و معذور ہو گئے۔ اور تدابیر ظاہر یہ کارگر نہ ہوئیں۔ تو حکام جور سے صلح کی۔ اور ایک وقت خاص تک کے لئے خانہ نشین ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ائمہ علیہم السلام نے امور سلطنت میں باوجود اختیار و اقتدار و امکان و اسباب دخل نہیں دیا۔ تو میں کہونگا۔ یہ ان پر ایک ایسا عظیم الزام ہے۔ کہ انہوں نے اپنے اہم ترین فرض کو ادا نہیں کیا۔ جس سے کوئی متدین راضی نہیں ہوسکتا۔ جمیع علماء اعلام شیعہ کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ اولے الامر ائمہ علیہم السلام ہیں۔ اور وہی خلیفۂ خدا و خلیفۂ رسولؐ خدا ہیں۔ اور کوئی دوسرا حاکم و بادشاہ اولے الامر نہیں۔ اور کسی کی اطاعت واجب نہیں۔ اور بحکم آیہ شریفہ "وامرھم شوریٰ بینھم و شاورھم فی الامر" امور مسلمین کا شوریٰ سے انجام پانا بہرکیف اولے و انسب اور نسبتاً بعید از مفسدہ ہے۔ خصوصاً اس زمانہ غیبت امامؑ میں جب کہ کوئی ہم پر خلیفۂ برحق واجب الطاعۃ نہیں ہے۔ اور بادشاہ مسلمین اس وقت تک قابل اطاعت ہے۔ جبکہ وہ پابند شریعت غرائے اسلام اور تابع احکام علماء اسلام و مجتہدین عظام ہو۔ ورنہ وہ بھی مثل دیگر بادشاہان دنیا ایک بادشاہ ہے۔ اور اس کو دوسروں پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ شاہان دنیا سب مساوی ہیں۔ اگر انسان اصول سیاست سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو۔ تو یقین کریگا۔ کہ پارلیمنٹ قیام سلطنت اور حسن انتظام و سیاست مدن کیلئے

نہایت ضروری چیز ہے۔ اور در اصل دولت و ملت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ملت کا کام امضاء ہے۔ اور دولت کا کام اجرا۔ ملت قوۃ امضائیہ ہے۔ اور دولت قوۃ اجرائیہ۔ نہ کہ مالک الرقاب۔ اور یہی تعلیم اسلام ہے۔ آیۂ شوریٰ بالصراحۃ دال ہے۔ کہ مسلمین کے اپنے امور شوریٰ سے طے ہونے مناسب ہیں۔ ہاں امور الٰہی میں مشورے یا اجماع جمہوریت نہیں۔ وہاں پارلیمنٹ نہیں۔ "ربك يخلق ما يشاء و يختار ما كان لهم الخيرة"۔ "وليس له شريك في الملك بل لله الخلق والامر"۔ اب جناب علامہ صاحب سے یہ دریافت کر سکتے ہیں۔ کہ جناب نے کس آیت یا حدیث کی رو سے یہ فتوے دیا ہے۔ کہ امور سلطنت میں علماء کو دخل دینا گناہ ہے۔ اور اس بناء پر آپ نے جملہ علماء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنہوں نے پارلیمنٹ ایران کو قائم کیا ہے۔ گنہگار اور مجرم بنا دیا۔ جن میں سرکار آخوند ملا محمد کاظم الخراسانی۔ الشیخ عبداللہ المازندرانی۔ جناب شریعت اصفہانی وغیرہم و دیگر علماء ایران مثل سید علی اکبر اعلی اللہ مقامہ وغیرہ داخل ہیں۔ اور ہم نہیں عرض کرتے۔ ناظرین خود دریافت کر لینگے۔ کہ توہین علماء کون کر رہا ہے۔ اور کون عذاب و عقاب توہین علماء مرحومین و موجودین کثرہم اللہ کا مستحق و مستوجب ہے۔ ص

ان خطوط منقولہ کے علاوہ آپ کے اور بھی خطوط وصول ہوئے جنکو بخوف طوالت ہم نے نقل نہیں کیا۔ ان کا بہت زیادہ حصہ ہمارے دوست چودھری جعفر حسین صاحب بی۔ اے مرحوم کے پاس تھا۔ جو آپ کی حیات کے ساتھ وہ بھی تلف ہو گیا۔ جن کا ہمیں ملال ہے۔ مگر ہمارے مدعا کے اثبات و تصدیق اور جناب کی نیت خالص کے انکشاف کے لئے یہی خطوط کافی و وافی ہیں۔ اور انہی سے ناظرین اس نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔ جس کے ہم خواہاں ہیں۔ کہ جناب علامہ کنتوری نے کس طرح مسئلہ ارتقاء کے موافق اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ اور کن کن حیل و تدابیر کو اختیار کیا ہے۔ اور آخر میں جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تو یہ اعلان شروع کیا۔ کہ یہ مضامین فلاں شخص کے ہیں۔ اصہ بابیوں کے مضامین ہیں۔ ان کو ہرگز نہ دیکھنا چاہئے۔ حالانکہ انہی مضامین کی پہلے آپ داد دے چکے ہیں۔ اور خواہش بھی ظاہر فرما چکے ہیں۔ کہ ایسے مضامین عالیہ علمیہ ضرور شائع ہوتے رہنے چاہئیں۔ اور پوشیدہ نہ رہنے چاہئیں۔ اور اس آخری تدبیر میں جناب موصوف کو فی الجملہ کامیابی ہوئی۔ کہ کچھ لوگ مشتبہ اور بدظن ہو گئے +

فصل

سلسلۂ مضامین علامہ کنتوری

ابتدائی مضامین جب اس صورت سے بھی پوری کامیابی نہ ہوئی۔ اور آپ سے نہ رہا گیا تو مورچے پر آگئے۔ اور بحث کے میدان میں کود ہی پڑے اور علاوہ اظہارِ خیالات مذکورۂ خطوط النفس بحث میں کافی حصہ لیا۔ اور چند مضمون لکھے۔ بعض تہافت میں شائع ہوئے۔ اور بعض اثنا عشری میں وہ مسئلہ قرأت اور کتابت ہمارے نبیؐ اور وصیؑ برحق کا "ہدایت اور ضلال کے طرق بھی مختلف ہیں" یہ دو مضمون تہافت جلد ۹ نمبر ۱۰ و ۱۱ میں ہے اور بعض دیگر مضامین جن میں مطلوبہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی رسالہ تہافت ہی کے بعض نمبروں میں شائع ہوئے ہیں۔ یہاں ہم سب سے اہم اور مختص اسرارِ علیہ سے پر ایک مضمون مطبوعہ اخبار اثنا عشری دہلی بعینہ ناظرین کرتے ہیں۔ باقی کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور وہی آپ کی تحقیقات کا آئینہ ہو سکتا ہے۔ وھو ھذا:۔

اثنا عشری دہلی۔ یکم نومبر ۱۹۰۹ء

ہمارے نبی امی کو پڑھنا لکھنا کس نے سکھایا او رکب بھائی یہ تو سمجھو۔ کہ امی ناخواندہ ہونا نبی تو نبی ہے ہر ایک بشر کی ذلت کا سبب ہے۔ اور نبی کو تو کسی طرح جاہل نہ ہونا چاہئے۔ خصوصاً ہمارے نبی خیر الانبیاءؐ۔ مگر جب خدا کی حکمت اور مصلحت اسی میں ہو۔ اور اس مصلحت کو خدا بیان بھی کر دے۔ پھر تو یہ ذلت عزت سے بدل جائیگی۔

جس طرح اور اقسام کی ذلتیں انبیاء علیہم السلام کو قتل ہوتے قید ہوتے آگ میں ڈال دینے کی پہنچیں۔ جن سے ہماری ہدایت ہو گئی۔ اور جن کو ہفوات انبیاء جناب اثیر فرماتے ہیں (دیکھو تاریخ انبیاء کو قرآن میں)۔

پھر جس طرح قرآن مجید اور انبیاء کے ان امور کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ ہمارے نبی کے امی ہونے کو اور اس کی مصلحت بھی بیان کرتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم۔ وہی خدا ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں الیسا رسول بھیجا جو انہی کے مثل امی تھا۔ اس آیت میں

امی کے معنی ناخواندہ ہونے کی دلیل دوسری آیت سورۂ عنکبوت کی ہے ۔ وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون ۔ تم اے محمدؐ اس تعلیم سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے ۔ اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ۔ اگر تم لکھے پڑھے ہوتے ۔ جو لوگ تمہاری نبوت کو باطل کہنے والے ہیں ۔ اُن کو شک پیدا ہوتا ۔ اس آیت نے آپؐ کے امی ناخواندہ ہونے کی تصریح کے علاوہ اُس کی مصلحت بھی ظاہر کردی یعنی یہ معجزہ جو تمکو عطا ہوا ۔ ناخواندہ ہوکر بڑے بڑے علماء سے توریت ۔ انجیل اور زبور کی آیات سے استدلال کرنا اور صحیح صحیح الفاظ جو ان کتب میں ہیں ۔ انہی کو پڑھ کر علماء یہود اور نصاریٰ سے مباحثہ کرنا کیسی بڑی دلیل تمہارے سچے معجز نما ہونیکی دلیل ہے ۔ کیا کسی کو اس میں شک ہوسکتا ہے ۔ کہ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چند ملت بشست

(پڑھو احتجاج طبرسی ؒ کو) ۔ ایسا اتمام حجت اور ایسی کامل شہادت آپ کے نبی معجز نما ہونیکی اُس وقت کبھی نہ ہوتی ۔ اگر آپ پہلے سے لکھے پڑھے ہوتے ۔

پھر چونکہ کفار عرب آپ کو بسبب معاشرت میل جول اور شبانہ روزی کی یکجائی سے ناخواندہ مثل اپنے جانتے تھے ۔ جب اور کچھ بات اُن سے بنائے نہ بن پڑی ۔ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ پڑھے لکھے اور بڑے زبان آور اور عالم کتب سماوی تھے ۔ اُن کو حضرتؐ کا اُستاد اور معلم قرار دیا جس کو خدا نے سورۂ نمل میں یوں رد کیا ۔ لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین جس شخص کو براہ الحاد و کفر تمہارا معلم قرار دیتے ہیں (سلمان فارسیؓ) اُس کی زبان عجمی ہے ۔ اور قرآن زبان عرب میں اُترا ہے ۔ رہی یہ بات کہ وہ لوگ بھی آپ کو امی ناخواندہ جانتے ہیں ۔ اُس کا ثبوت بھی سورۂ آل عمران کی اس آیت سے بہی ہوتا ہے ۔ ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائما ۔ ان میں سے ایک آدمی ایسا بھی ہے ۔ اگر ایک دینار کی امانت اُسے سپرد کرو کبھی ادا نہ کریگا جب تک ہمیشہ اُس کے سر پر سوار نہ ہو ۔ ذلک بانھم قالوا لیس لنا فی الامیین من سبیل ۔ یہ نادہندی اس وجہ سے کرتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ناخواندہ جاہلوں کا کوئی حق ہم پر واجب الادا نہیں ہے چونکہ اس آیت میں خطاب ہمارے نبی کیطرف ہے ۔ لہذا امیین میں وہ لوگ آپ کو بھی داخل کرتے ہیں ۔

اب قرآن اور تاریخ متواتر سے ہمارے نبی کا امی ہونا بمعنی ناخواندہ کے ثابت ہوچکا ۔

پھر کس وقت سے ہمارے نبی ناخواندہ نہ تھے } تعلیم اوّلی کا حال سنو

اقراء سے پڑھو۔ اُس کی تفسیر میں یہ وارد ہے۔ کہ ایک روز ہمارے نبیؐ غار حرا میں تھے۔ کہ حضرت جبرئیلؑ نے ظاہر ہو کر کہا۔ اے محمدؐ تو رسول خدا ہے مجھ کو خدا نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اور کہا ہے۔ اقرا یعنی پڑھ تو۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں (اُمی ہوں)۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا۔ کہ جبرئیلؑ نے مجھے ایسا پکڑ کر بھینچا۔ کہ میں بے طاقت ہو گیا۔ پھر مجھ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ اقرا۔ اسی طرح تین مرتبہ یہی ہوا۔ اور مجھ کو بخار آگیا۔ میں ترساں ولرزاں مکان خدیجہ میں گیا۔ اور ورقہ بن نوفل سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ روایت طولانی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ورقہ نے کہا۔ اب کی مرتبہ جب ایسا ہو تم جبرئیلؑ سے پوچھو۔ کیا پڑھوں۔ جب دوسری مرتبہ جبرئیل آئے۔ اور کہا۔ کہ اقرأ۔ میں نے کہا کیا پڑھوں۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ پڑھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین تا آخر سورہ فاتحہ۔ اور کہا جبرئیلؑ نے۔ کہو لا الٰہ الا اللہ۔ اس تفسیر سے حضرتؐ کا امی ہونا اور تعلیم قرآن اور تعلیم کہ مراد ایمان سے کیا ہے۔ اور حضرتؐ کا نزول قرآن کا امیدوار ہونا سب کچھ ثابت ہوا۔ جو مطابق آیات مندرجہ ذیل کے سورۂ قصص میں ہے۔ وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب الا رحمۃ من ربک۔ تم کو اے محمدؐ امید اس کی نہ تھی۔ کہ قرآن کا القا تم پر ہوگا۔ یہ نعمت غیر مترقبہ محض رحمت پروردگار کی ہے۔ سورۂ نسا میں انزل اللہ علیک الکتاب وعلمک مالم تکن تعلم۔ خدا نے تم پر کتاب نازل کی۔ اور جو تمکو معلوم نہ تھا۔ اُس کی تعلیم بھی فرمائی۔

علمہ شدید القویٰ۔ قرآن کی تعلیم بذریعہ اُس فرشتہ کے ہوئی۔ جس کے قوائے بدنی شدید ہیں (وہ بھینچنا زور سے) اس کا ثبوت بھی ہو گیا۔

ووجدک ضالا فھدیٰ۔ چونکہ تم کو حیرت تھی۔ کہ میں امی ہو کر کیونکر پڑھ سکونگا۔ لہٰذا خدا نے اس تعلیم سے ہدایت کی۔ دیکھو ہماری قدرت کہ محض امی کو آن واحد میں سب عالموں سے بڑھ کر عالم بنا دیتے ہیں۔ سنقرئک فلا تنسیٰ۔ عنقریب تمکو ایسا پڑھائیں گے۔ کہ پھر کبھی نہ بھولوگے۔ یہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ اللھم لک الحمد۔

سورۂ شوریٰ میں جو فرمایا۔ وما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان۔ تمکو اے محمدؐ نہیں معلوم تھا۔ کہ قرآن کیا چیز ہے۔ اور ایمان ہم کس اقرار کو کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے کہا۔ کہ پڑھو۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ ایمان محض اقرار توحید خدا و نفی شریک الٰہی کا نام ہے۔ جس کا اقرار ہمارے نبی کو لڑکپن سے تھا۔ تم جو کی تعلیم سے فقط یہ معلوم

ہُوا۔ کہ ایمان خدا کے نزدیک بس یہی ہے۔ کہ کوئی دُشمن اسلام یہ نہ سمجھے۔ کہ معاذ اللہ حضرت آج سے ایمان لائے۔ بلکہ جس طرح اور معارف دینیہ اصول اور فروع منقولات شرعیہ کو خدا نے آپ کو بذریعہ تعلیم بتلایا یہ بھی بتلا دیا۔ کہ ایمان کیا چیز ہے۔

کہنا زبان سے لاالہ الااللہ کا۔

پھر چونکہ سورۂ فاتحہ میں خدا کی صفات میں رب العالمین اور مالک یوم الدین وارد ہے۔ اور اقرار بتوحید اور نفی شریک مصرح نہیں ہے۔ اور ہمارے نبیؐ کو اقرار توحید اور نفی شریک پہلے سے تھا۔ بلکہ بچپن سے۔ لہٰذا اس کا بتلا دینا بعد تعلیم سورۂ محمدؐ کے بھی ضرور تھا۔ یہ ایمان کیا چیز ہے۔ اس کے اقرار کے بعد پھر ایمان ہو جاتا ہے۔ اور ایاک نعبد سے بھی مراد توحید ہے۔

اب جو تفسیر اقراء کی ہم نے لکھی۔ اُس کے ہر جزو کا ثبوت آیات قرآنیہ سے بھی ہو گیا۔ رہی وہ احادیث جن میں حضرتؐ کے امی ناخواندہ ہونے سے انکار ہے۔ چونکہ ہم کو حکم ہے۔ کہ جو حدیث قرآن مجید سے بظاہر مخالف ہو۔ اُس کی ایسی تاویل کرو۔ کہ مطابق قرآن کے ہو جائے۔ اور اگر تاویل نہ ہو سکے۔ تو اس کو رد کر دو۔ لہٰذا اُن احادیث مقدسہ سے یہ مراد ہے۔ کہ بعد اس تعلیم کے چونکہ حضرت امی ناخواندہ نہ رہے۔ اب حضور کو ان معنوں سے امی نہ کہو۔ اب تو اس کا اطلاق باغتبار مجازِ ما کان کے ہوگا۔ بلکہ اور معنوں سے مثلاً ساکن ام القریٰ وغیرہ آپ کو امی کہنا چاہئیے۔

جناب امیر المومنینؑ۔ آپ کی تعلیم چونکہ ہمارے نبیؐ نے فرمائی ہے۔ اور اپنے معجزات اور کرامات کا حامل آپ کو تا امام ثانی عشر علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم خدا مقرر فرمایا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کو بھی قرأت اور کتابت سیکھنے کی کسی بشر سے حاجت نہ تھی۔ اور وہی تعلیم نبوی کافی تھی۔ ہاں بعض روایات میں جو وارد ہے۔ کہ حسنین علیہم السلام نے اپنی تختی لکھی ہوئی جناب سیّدہؑ کو دکھلائی۔ کہ اچھا کس کا خط ہے۔ اور بعض ائمہؑ کا معلم سے کچھ پڑھنا۔ یہ محمول مصالح پر مبنی ہے۔ چنانچہ اُسی روایت میں یہ بھی ہے۔ کہ امام نے مکتب میں معلم کے سامنے ایسی تفسیر بیان فرمائی۔ کہ معلم دنگ ہو گیا۔ اور پدر بزرگوار نے اپنا ہاتھ فرزند کے منہ پر رکھ دیا۔ کہ بس اب زیادہ اظہار اسرار الٰہی نہ کرو۔ ایسی روایات سے اگر کوئی ہمارا مخالف استدلال کرے۔ تو ہم اپنے عقیدہ سے نہیں پھر سکتے۔ اب علمائے متقدمین نے جو اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق نہیں فرمائی۔ اور اسی وجہ سے تاریخ ساکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسئلہ قرأت اور کتابت کوئی شروط نبوت اور امامت سے نہیں ہے۔ اور تحدی کے

وقت ہمارے نبیؐ خواہ ائمہ علیہم السلام عاجز قرأت اور کتابت سے نہ تھے۔ اور نہ کبھی کوئی ایسا کوئی امر پیش آیا جس میں امتحان اُن کے لکھنے پڑھنے کا ہوتا۔ اور وہ واقعہ تاریخی لباس پہن کر درج صحیفۂ ثبت ہوتا۔ یا اگر ایسا کوئی واقعہ ہوا بھی ہو۔ تو ہم کو اُس کی روایت نہیں پہنچی۔ جو بات کو بتنگڑ بنائیں۔

اب رہی یہ بات کہ لکھنا پڑھنا اور اس کی قوت لوازم بشریت سے ہے۔ اُس قوت کا سلب ہمارے نبی خواہ کسی امام سے ہونا گویا سلب انسانیت ہے۔ یہ یہ مباحث فلسفی اور منطقی عوام کو حیرت میں ڈالنے کے سوا اور کوئی نتیجہ ان کا نہیں ہے۔ خدا ہم کو فریب ہی عوام سے محفوظ رکھے۔ نہ مجھے فریب دہ فلسفی نہ بناتے۔ کلام تو معجز نما کی شان میں ہے۔ اور قرآن مجید نے دونوں زمانہ کی حالت ہمارے نبیؐ کی بیان کر دی جب تک امی ناخواندہ تھے۔ اُس کی کیا مصلحت تھی جب عالم ہمہ دان بنائے گئے۔ اُس کو بھی قرآن نے صاف طور سے ظاہر کر دیا۔ اب جھگڑا اور مباحثہ محض بیکار ہے۔ ہاں اپنی اپنی قابلیت کا اظہار۔ یہ تو ضرور ہوتا ہے۔ گھوڑے گھوڑے لڑیں۔ اور موچی کا زین ٹوٹے۔ یہی ہماری مثل ہے ✦

راقم غلام حسنین از رائے بریلی۔ وزیر گنج۔ مکان منشی گلاب رائے

اس مضمون میں چند امور قابل غور ہیں۔ اوّل خدا کی مصلحت سے عزت کا ذلت اور ذلت کا عزت ہو جانا۔ دوم انبیاءؑ کو ذلت پہنچنا۔ اور ہفوات انبیاء کا ذکر۔ سوم امی کے معنی اور اُس کی تشریح اور اس معنی میں نبیؐ کا امی ہونا جس کے لحاظ سے کافر و مشرکین امی کہلاتے تھے۔ چہارم تعلیم اوّلی اور نزول سورۂ اقرأ۔ پنجم ورقہ بن نوفل۔ ششم تعلیم شدید القویٰ اور زور سے بھینچنے کا ثبوت۔ ہفتم تفسیر آیۂ ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان۔ ہشتم جبرئیلؑ کا آنحضرتؐ کو کلمۂ شہادت تعلیم دینا اور تعریف ایمان بتلانا یعنی کہنا زبان سے لا الٰہ الا اللہ۔ نہم دیگر معارف دینیہ کا تعلیم دینا۔ دہم سورۂ حمد میں توحید کا مصرح نہ ہونا۔ یازدہم قبل بعثت حضرتؐ کو اور معنی میں یعنی بمعنی ناخواندہ امی کہا جانا اور بعد بعثت بمعنی ساکن ام القریٰ وغیرہ و با طلاق بیجانہ۔ دوازدہم قرأت و کتابت کا شرط نبوت و امامت سے نہ ہونا۔ سیزدہم حضرتؐ کا وقت تحدی قرأت و کتابت سے عاجز نہ ہونا۔ چہاردہم اس واقعہ کا تاریخی لباس نہ پہننا اور درج تاریخ نہ ہونا۔ یہی چودہ امور اس مضمون سے مفہوم ہیں۔ اور اس کی تشریح یا ان بالفرض ہے۔ انہی کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں مگر بحث امی کی تفصیل انشاء اللہ اسی کتاب میں آئیگی۔ یہاں اجمالی ذکر ہوگا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ✦

امر اوّل و دوم جمیع علماء متقدمین و متاخرین شیعہ و بعض علماء اہل سنت کے نزدیک مسلم اور محقق ہے۔ کہ حسن اور قبح اشیاء عقلی ہے۔ جو شے بحکم عقل و فی حد ذاتہ حسن اور اچھی ہے۔ اسی کو اچھا کہا گیا ہے۔ اور جو شے بُری ہے۔ اس کو بُرا۔ نہ یہ کہ جس کو زبان شرع اچھا کہدے۔ وہ اچھی ہے۔ اگرچہ فی حد ذاتہ وہ بُری ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ شرع شراب کو اچھا کہدے۔ شراب فی ذاتہ خبث و رجس اور مضر ہے۔ کبھی اس کے حسن کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا جو چیز اچھی ہے۔ وہ ہمیشہ اچھی ہے۔ اور جو بُری ہے۔ وہ ہمیشہ بُری ہے۔ اور جو عزّت ہے۔ وہ ہمیشہ عزّت ہے۔ اور جو ذلّت ہے۔ وہ ہمیشہ ذلّت ہے۔ یہ دوسرا امر ہے۔ کہ ایک وقت بوجہ مرتکب ہونے کسی امر کے اجباراً و اکراہاً خدا اس پر مواخذہ نہ کرے۔ نہ یہ کہ ایسا کرنے سے وہ شے حسن اور اچھی ہو جائیگی بنابریں کوئی ذلت خدا کی مصلحت سے عزّت سے نہیں بدل سکتی۔ اور اس لئے جو تکالیف و مصائب انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کو دشمنان دین سے پہنچے۔ وہ ہرگز اس قبیل سے نہیں ہیں۔ کہ وہ در اصل ذلت نہیں مگر مصلحت خدا سے وہ ذلت ہو گئے۔ کیونکہ ایسا اعتقاد رکھنے سے علاوہ انکار اصول مسلمہ مذہب شیعہ کہ حسن و قبح اشیاء عقلی ہے صریح آیات قرآن اور احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ "ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" علم و جہل کسی وقت میں مساوی نہیں ہو سکتے اور جہالت کسی وقت میں کمال و اعزاز شمار نہیں ہو سکتی۔ "ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ" حقیقت الامر یہ ہے۔ کہ انسان نہیں سمجھتا۔ کہ در اصل عزّت کیا ہے۔ اور ذلّت کیا۔ اور اس لئے بسا اوقات وہ بعض چیزوں کو عزّت خیال کرتا ہے۔ اور وہ در اصل ذلّت ہوتی ہیں جیسا کہ نظر عوام میں کافرین اور منکرین خدا کا دولت دنیا سے مالا مال ہونا اور ہر ایک قسم کی شان و شوکت و وجاہت ظاہری دنیاوی کا حاصل ہونا عزّت خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ انتہا درجے کی ذلّت ہے۔ اور خدا اس کی خبر دیتا ہے۔ "انما نملی لھم لیزدادوا کفرا"۔ ہم نے ان کو یہ مال و دولت اور مہلت اس لئے دے رکھی ہے۔ کہ ان کا کفر اور بڑھے۔ اور پھر منتہا ہے عذاب الیم میں یکبار گرفتار ہوں۔ اور عند العلماء ظاہر و ثابت ہے۔ کہ اس سے زیادہ ذلت انسان کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ برعکس اس کے قتل ہونا۔ غارت ہونا۔ تباہ و برباد ہونا۔ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونا۔ نان و نمک۔ آب و طعام اور لباس تک کے لئے محتاج ہونا عوام و جہال کے نزدیک ذلت ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ راہ خدا میں ان تمام مصائب کا مورد ہونا اور ان سب کو گوارا کرنا ہی عزّت ہے۔ اور یہی عین ایمان۔ اس سے بڑھ کر کوئی عزّت ہو ہی نہیں سکتی۔

راہ خدا میں جان دیدینا ہی مومن کی صفت خاصہ ہے "ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویُقتلون" خدا نے مومنین کی جان و مال کو بہشت کے عوض خرید لیا ہے۔ وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ پس دشمنان دین کو قتل کرتے ہیں۔ اور پھر خود شہید ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونا قوم یا ملک یا مذہب پر جان دینا کسی قوم کے نزدیک ذلت شمار نہیں ہوتا۔ اور عرب تو اس بات میں مشہور و معروف ہیں۔ ان کے نزدیک بستر بیماری پر پڑے پڑے ناک کے بل مرنا ذلت اور میدان میں دشمن کے ہاتھ سے قتل ہو کر مرنا عزت ہے۔ پھر عرب میں قریش اور قریش میں بنی ہاشم۔ اور بنی ہاشم میں اولاد پیغمبرؐ و اہل بیت نبوت و رسالت تو اس صفت سے خصوصیت کے ساتھ مشہور و معروف ہیں۔ کیا نہیں سُنا کہ جناب علی ابن الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابن زیاد ملعون سے قتل کی دھمکی دینے پر فرمایا "ابالقتل تھددنی یا ابن زیاد اما علمت ان القتل لنا عادۃ وکرامتنا الشہادۃ" یعنی اے ابن زیاد کیا تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ تو نہیں جانتا۔ کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے۔ اور کرامت ہماری شہادت۔ اور جناب مظلوم کربلا سید الشہداء علیہ السلام فرماتے ہیں "الا ان الدعی وابن الدعی قد رکزنی بین السلۃ والذلۃ ھیھات ھیھات منا الذلۃ ابی اللہ عن ذالک ورسولہ والمومنون وجدود طھرت وحجور طابت ان نؤثر طاعۃ اللئام علی مصارع الکرام الخ۔" آگاہ ہو۔ کہ حرامزادے اور حرامزادے کے بچے نے مجھے تلوار و مذلت کے درمیان کھڑا کیا ہے۔ بہت بعید ہے بہت بعید ہے۔ کہ ہم ذلت کو اختیار کریں خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین اور اصلاب طاہرہ وارحام طیبہ انکار کرتے ہیں۔ کہ ہم لئیموں کی اطاعت کو کریموں اور کریمانہ شہادت پر مقدم رکھیں ان فرمائشات سے بہتر کونسی شہادت اس امر کی ہو سکتی ہے۔ کہ قتل و شہادت ہی اصل عزت ہے۔ اور ذلت ذلیل کام کرنا۔ ناحق کی پیروی کرنا۔ دشمن خدا و دین خدا کی اطاعت کرنا۔ اگر انسان عزت و ذلت کے معنی کو سمجھے۔ اور احادیث پیغمبرؐ و آیات قرآن میں تدبر و تفکر کرے۔ تو یقین کر لیگا۔ کہ نیکی عزت ہے اور بدکاری ذلت۔ نیکوکار فی الحقیقت عزیز ہے اور بدکار ذلیل۔ چنانچہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد ملعون سے یہی فرمایا جبکہ اس ملعون نے حضرت سے خطاب کر کے کہا۔ "الحمد للہ الذی فضحکم واکذب احدوثتکم" حمد ہے اس خدا کی جس نے تمکو رسوا و ذلیل کیا۔ اور تمہاری بدعت کو جھوٹا اور باطل۔ قالت "انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر" سوائے اس کے

نہیں ہے۔ کہ رسوا اور ذلیل فاسق ہوتا ہے۔ اور جھوٹ فاجر بولتا ہے۔ وھو غیرنا۔ اور وہ ہم نہیں بلکہ ہمارا مقابل ہے۔ بعد ازاں اس ملعون نے کہا۔ کیف رأیت صنع الله باخیك واهل بیتك۔ تو نے نہیں دیکھا۔ کہ اللہ نے تیرے بھائی اور تیرے اہل بیت کے ساتھ کیا کیا۔ فقالت ما رایت الا جمیلا الخ۔ فرمایا نہیں دیکھا میں نے مگر جمیل یعنی اللہ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ وہ اچھا ہی کیا ہے۔ اس لئے بلا شک و شبہ قتل سے حسینؑ و اصحاب حسینؑ کو ذلت نہیں پہنچی۔ بلکہ عین عزت تھی۔ اور وہ عزت تھی۔ جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور ذلت و رسوائی یزید و ابن زیاد و غیرہم کو پہنچی۔ جو اس فعل شنیع کے باعث ہوئی۔ عزت نکوکاری ہے۔ اور ذلت بدکاری "و لله العزة ولرسوله وللمومنین" "عزت یا خدا کے لئے ہے یا رسول خداؐ کے لئے یا مومنین کے لئے" ساد اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کو قتل و قید و احراق وغیرہ مصائب پہنچنے انکی عین عزت افزائی اور ان کے لئے ایک فضیلت خاصہ تھی۔ احتجاج طبرسیؒ میں مروی ہے۔ کہ ایک یہودی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے احتجاجات کئے۔ اور انبیاء سابقین کے فضائل ذکر کرکے دریافت کیا۔ کہ تمہارے پیغمبرؐ کو بھی خدا نے ایسی فضیلتیں دی ہیں۔ اور منجملہ فضائل جناب ابراہیمؑ ایک فضیلت اس نے یہ ذکر کی۔ کہ "دیکھو لوگوں نے ان کو آگ میں ڈالا۔ اللہ خدا نے اس کو ان پر سرد و گلزار کر دیا" کیا کوئی ایسی فضیلت تمہارے پیغمبرؐ کو بھی دی گئی۔ جناب امیرؑ نے اس کے مقابل اور اس کے جواب میں اپنے پیغمبرؐ کی ایسی فضیلت کا ذکر کیا الخ۔ کون صاحب عقل کہہ سکتا ہے۔ کہ انبیاءؑ کا قتل ہونا۔ قید ہونا۔ آگ میں ڈالا جانا اور طرح طرح کے مصائب میں دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہونا انکی ذلت کا باعث ہے؟ بلکہ جمیع ملل و مذاہب و نص قرآن مجید و احادیث پیغمبرؐ و ائمہ علیہم السلام سے ثابت ہے۔ کہ یہ تمام امور عزت ہیں۔ نہ کہ ذلت۔ اب نہیں جانتے۔ کہ جناب کنتوری صاحب کی تقلید کرکے انبیاءؑ و ائمہؑ کی توہین کریں۔ اور انکی ذلت کے قائل ہو جائیں۔ اور احادیث و آیات کو جھٹلائیں۔ یا حضرات معصومین علیہم السلام کی تقلید کرتے ہوئے عرض کریں۔ کہ خیر سے جناب علامہ عزت و ذلت ہی نہیں سمجھتے۔ اور اس لئے انہوں نے جملہ انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کو معاذ اللہ ذلیل و رسوا کر دیا۔ اور پھر طرہ یہ کہ ان بزرگوار کے قتل ہونے۔ قید ہونے۔ آگ میں ڈالے جانے کو آپ ان معصومین کی ہفوات اور لغزشیں بتلاتے ہیں۔ اور وہ بھی بحبر جناب امیرؑ کی زبانی (نعوذ باللہ من ذالک) سبحان اللہ کیا معرفت اور کیا تحقیق ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں نمرود ڈالے۔ یوسفؑ کو قید عزیز مصر کرے۔ امام حسینؑ کو قتل یزید کرے۔ اور خطا انکی کہلائے۔ اور انکی لغزشوں اور ہفوات میں شمار ہو۔ حاشا و کلا ہرگز ایسا نہیں

ہو سکتا۔ اور قطعاً ناممکن ہے۔ کہ جناب امیرؑ جیسا عارف حقائق ان امور کو انبیاؑ اور اوصیاؑ کی ہفوات اور لغزشیں
فرمائے۔ یا خدا ان باتوں کو انکی ہفوات قرار دے جل وتعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ حقیقت
الامر یہ ہے۔ کہ دنیاوی وظاہری ذلتوں کے مقابل یعنی ان امور کے مقابل جو بظاہر ذلت شمار ہوتی
ہیں۔ اگر کوئی شرافت عظیم حاصل ہو۔ تو وہ ذلت نہیں بہت بڑی عزت ہے۔ اسی فطرت انسانی ہے
اور ہر قوم یہی احساس رکھتی ہے۔ پس انبیاؑ کا راہ خدا و قیام دین کے لئے یہ مصائب و شدائد اٹھانا عزت
ہے نہ ذلت۔ یہ ہیں وہ غوامض علوم و اسرار جن کو آپ اور آپ کے ہمخیال علماء ہی نہیں سمجھتے
ہیں۔ الحمد للہ کہ اڈیٹر ناظم السدہ و دیگر مومنین ان غوامض سے محفوظ و مطمئن ہیں۔ اور بحمد اللہ وہ ہرگز اس کے
قائل نہیں ہو سکتے۔ کہ خدا کسی مصلحت سے عزت کو ذلت بنا دیتا ہے۔ جو عزت ہے وہ ہمیشہ عزت
ہے۔ اور جو حسن ہے وہ ہمیشہ حسن۔ اور جہالت کسی وقت اور کسی زمانے میں کسی قوم کے نزدیک عزت
وکمال شمار نہیں کی گئی۔ اور بحمد اللہ پیغمبر خاتم النبیین مبدء علم وکمال اس شرف جہالت سے کسی وقت میں
مشرف نہیں ہوئے۔ احتجاج طبرسی کے مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔ کہ جناب امیرؑ نے ہرگز قتل و اسیری
و احراق کو ہفوات انبیاؑ نہیں فرمایا۔ بلکہ حقیقت امر یہ ہے۔ کہ ایک زندیق یہودی نے آ کر حضرت سے
کچھ اعتراض کئے ہیں۔ کہ قرآن میں تناقض نہ ہوتا۔ تو میں ایمان لاتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعد ازاں اس نے کہا۔ وقد نجد
ہفوات انبیائہ بقولہ عصیٰ آدم ربہ الخ۔ یعنی دیکھو۔ خدا نے اپنے انبیاء کی ہفوات کو مشہور کر دیا ہے۔
اس کے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا۔ اما ہفوات الانبیاء الخ یعنی لیکن ہفوات جن کا تو نے ذکر کیا۔ پس
جواب ان کا یہ ہے الخ۔ یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ انبیاؑ کے مصائب قتل و قید و احراق کو معاذ اللہ حضرتؑ نے
ہفوات انبیاء کہا ہے۔

امر سوم یعنی بحث امی کے متعلق ہم انشاء اللہ خاتمہ کتاب میں مفصل بحث کریں گے۔ اور اسی موقع پر
ان آیات مذکورہ کی تفسیر کی جائیگی۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ جناب علامہ نے الفتنا منہم
سے جو یہ استدلال کیا ہے۔ کہ چونکہ مشرکین عرب امی یعنی ناخواندہ اور جاہل تھے۔ اور آنحضرتؐ بھی انہی میں سے
ہیں۔ اس لئے وہ بھی مثل مشرکین کے امی یعنی جاہل اور ناخواندہ ہیں۔ ہرگز ہرگز اس سے نبیؐ کی جہالت اور ان کے
امی یعنی ناخواندہ ہونے کو ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر اس کو دلیل قرار دیا جائے۔ کہ چونکہ عرب امی یعنی
ناخواندہ تھے۔ اور حضرتؐ انہی میں سے ہیں۔ اس لئے وہ بھی امی یعنی جاہل اور ناخواندہ ہوئے۔ تو لازم
آئیگا۔ کہ معاذ اللہ حضرتؐ کافر بھی ہوں۔ کیونکہ انہی کافروں میں سے ہیں۔ اور مشرک بھی ہوں۔ کیونکہ انہی
مشرکوں میں سے ہیں۔ اس کے بھی قائل ہو جائیے۔ اور مثل کلبی، سدی و مجاہد کے کہہ دیجئے۔ کہ معاذ اللہ حضرتؐ

قبل بعثت گمراہ وکافر تھے۔ خدا نے انہیں توحید کی ہدایت کی۔ بلکہ تمام انبیاء سابقین کے بھی کفر وشرک کے قائل ہو جئے۔ کیونکہ ہر قوم کا پیغمبر اسی میں مبعوث ہوا ہے۔ اور پھر قرآن شریف میں ان کے لئے "منہم" کا لفظ موجود ہے۔ یا کم سے کم قبل بعثت واظہار نبوت ان کے کفر وشرک کے قائل ہو جئے۔ اور انہی میں خاتم النبیین کو بھی داخل کیجئے۔ اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے۔ کہ اگرچہ وہ سب اسی قوم کفار ومشرکین سے تھے۔ مگر بہ دلائل وبراہین وقرائن دالہ ثابت ہے۔ کہ وہ مومن موحد مسلمان تھے ابتداء عمر ہی سے۔ اور اس لئے وہ منہم سے مستثنیٰ ہیں۔ تو ہم بھی یہی کہینگے۔ کہ اگرچہ حضرت ان امیین سے تھے جنکو آپ جاہل وناخواندہ بتلاتے ہیں۔ مگر دلائل قطعیہ وشواہد بینہ دال ہیں۔ اور قرائن یقینیہ شاہد کہ حضرت بحمد اللہ جاہل وناخواندہ نہ تھے۔ اور مثل مشرکین وکفار مکہ امی نہ تھے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا ۔

پس اس لئے "منہم" والی دلیل ہرگز مثبت مدعا نہیں ہو سکتی۔ اور مشرکین کا ان کو بایں معنی امی کہنا بھی اس کی دلیل نہیں۔ کیونکہ کفار ومشرکین اور دشمن کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ درآنحالیکہ مشرکین عالم الغیب نہ تھے۔ جو حضرت ؐ کے اوصاف وکمالات باطنیہ پر مطلع ہوتے۔ اور ان کے علوم پر احاطہ رکھتے۔ کہ وہ کیا کیا علوم رکھتے ہیں۔ اور کن کن علوم کے جامع ہیں۔ کلام العدیٰ ضرب من الھذیان۔ درآنحالیکہ یہ بھی باطل ہے۔ کہ کفار ومشرکین حضرتؐ کو امی بمعنی جاہل کہتے تھے۔ بلکہ اہل کتاب ان کو بوجہ اہل کتاب میں سے نہ ہونے کے اُمی کہتے تھے۔ جیساکہ بحث اُمی میں آئیگا۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ "اعجاز اس پر موقوف نہیں ہے۔ کہ حضرتؐ ابتدائے عمر سے جاہل اور ناخواندہ ہی ہوں" بلکہ کمال اعجاز یہی ہے۔ کہ ابتدائے عمر سے ہی وہ کمالات بلاتعلیم غیر وکسب واکتساب ان میں موجود ہوں۔ جو آپ بعد چہل سالگی ثابت کرتے ہیں۔ یہ قطعی بے معنی ہے۔ کہ "ایسا اتمام حجت اور ایسی کامل شہادت آپ کے معجز نما ہونے کی اس وقت کبھی نہ ہوتی۔ اگر آپ پہلے سے لکھے پڑھے ہوتے"۔ بیشک یہ اعجاز نہ ہوتا۔ اگر پہلے سے کسی سے لکھتے پڑھتے۔ اور بطور مروج ومرسوم لکھے پڑھے ہوتے۔ ورنہ منجانب اللہ لکھا پڑھا ہونا منافی اعجاز نہیں۔ بلکہ اعجاز یہی ہے۔ کہ اول عمر سے اور اس سن میں لکھے پڑھے۔ اور عالم ہوں جس میں کوئی بچہ کسب واکتساب سے بھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ "حکم مادر ہی سے لکھا پڑھا ہونا کمال اعجاز ہے۔ نہ کہ چالیس سال بعد پڑھ جانا۔ ہاں اظہار اس کا حسب مصلحت وقت ہوگا۔ جیساکہ اور کمالات واوصاف کا ہے"۔ اور دلائل قطعیہ قرآن وحدیث کے مقابل سعدی کا